رجسٹر نمبر ایل ۴۳۵۰

جلد ۴۲ عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دفتر رسالہ "ترجمان القرآن"

۵ - اے ذیلدار پارک ، اچھرہ لاہور ، پاکستان

سالانہ چندہ ۶ روپے قیمت فی پرچہ ۱۰ آنے

خالی صفحه

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۵۲	بابت ماہ اپریل ۱۹۵۹ء	عدد ۱

ابوالخیر مودودی پرنٹر پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن

اچھرہ - لاہور سے شائع کیا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

ترجمان القرآن کے نئے اور پرانے قارئین اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اس کے صفحات ہمیشہ خدا اور اس کے رسول کے پیغام کے لیے وقف رہے ہیں اور ان میں کبھی بھی مدیر ترجمان یا اُن کے کسی رفیق کے ذاتی حالات کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ لیکن اب بعض رفقاء کے پیہم اضطراب کی وجہ سے ہم مجبور ہو گئے ہیں کہ انہیں صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں۔ ہمارے دوست خطوط اور زبانی گفتگوؤں کے ذریعے بار بار یہ دریافت کرتے ہیں کہ اگر مولانا آج کل تفہیم القرآن نہیں لکھ رہے تو پھر کیا کر رہے ہیں؟ ان استفسارات میں کئی قسم کے احساسات شامل ہیں۔ بعض میں تشویش اور پریشانی نظر آتی ہے، بعض اسے کسی معنی خیز خاموشی پر محمول کرتے ہیں اور بعض میں جھنجلاہٹ کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ ان سب رفقاء کی خدمت میں ہم یہ گزارش کریں گے کہ مولانا خود اس بات کے شدید آرزومند ہیں کہ وہ اس عظیم الشان کام کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائیں لیکن بعض ناگزیر مجبوریاں اس راہ میں حائل ہیں۔ ان میں سب سے بڑی مجبوری مولانا کی علالت ہے۔ مولانا ایک عرصہ دراز سے گُردے کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آج سے چند سال قبل اس کا اپریشن کرایا گیا جس سے پتھری کی تکلیف عارضی طور پر رفع ہو گئی لیکن تھوڑی مدت کے بعد گردے میں پھر ذرات جمع ہونے شروع ہو گئے اور انھوں نے بہت جلد سنگریزوں کی صورت اختیار کر لی۔ دینِ حق کا یہ سپاہی اس تکلیف کے باوجود مختلف کاموں میں منہمک رہا اور اس نے علالت کے سامنے کبھی ہتھیار ڈالنے گوارا نہ کیے لیکن اب کچھ عرصہ سے یہ تکلیف مزید بڑھ گئی ہے اور اس نے اُن کے ذہنی نشاط اور

گھٹنے کو شدید طور پر متاثر کیا ہے۔

پھر پچھلے دنوں انھوں نے اپنے آپ پر زیادتی یہ کی کہ اپنے سپرد ایک ایسا علمی کام لے لیا جو انتہائی محنت شاقہ چاہتا تھا۔ اس کام کو کرنے کے لیے انھیں مسلسل کئی کئی گھنٹوں تک بیٹھنا پڑا جس سے ان کے قویٰ اور بھی مضمحل ہو گئے۔

خطوط اور استفسارات کی بھرمار مولانا کا بہت سا وقت لے جاتی ہے لیکن ان سب مجبوریوں کے ہوتے ہوئے بھی مولانا اس کام سے غافل نہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کو پورا کرنے کے لیے سخت بیتاب ہیں۔ خود ہم بھی اُن سے بار بار اس کے لیے اصرار کرتے ہیں اور بعض اوقات ہمیں اُن کی صحت کے پیش نظر یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہم مولانا سے "تقاضا" نہیں کر رہے ہیں بلکہ اُنھیں ستا رہے ہیں۔ ہمارے مطالبات کی طویل فہرست سُن کر جس میں تفہیم القرآن اشارات، رسائل و مسائل اور مضامین، الغرض سبھی قسم کے تقاضے شامل ہوتے ہیں، مولانا اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں "اچھا بھائی دُعا کرو"۔

ہم قارئینِ ترجمان کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ خداوند تعالیٰ کے حضور میں مولانا کی صحتِ کاملہ اور عاجلہ کے لیے دعا فرمائیں تاکہ وہ پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ ان مزیدی کاموں کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

اس وقت تفہیم القرآن کی صورت یہ ہے کہ مولانا سورۂ نمل کی تیاری میں مصروف ہیں۔ جس وقت یہ تیاری مکمل ہو جائے گی اسی وقت مولانا لکھنا شروع کر دیں گے اور پھر اسے ترجمان القرآن میں ساتھ ساتھ شائع کر دیا جائے گا۔ تفہیم القرآن کی اشاعت اگر رک جاتی ہے تو یہ کسی تساہل کا نتیجہ نہیں بلکہ اُس مالک الملک کی مشیت کا تقاضا ہے جس پر ہم سے کسی کو بھی کوئی قدرت اور اختیار حاصل نہیں۔ ہم تو اس کی بارگاہ میں ان موانع کو دُور کرنے کے لیے صرف درخواست ہی کر سکتے ہیں اور وہ ہم برابر کرتے رہتے ہیں۔

خدا جانتا ہے کہ مولانا کے متعلق یہ چند سطور بہت جی کڑا کر کے لکھی گئی ہیں۔ مارشل لا کے نفاذ سے

پہلے اپنے رفقا کو بڑی آسانی کے ساتھ حالات سے آگاہ کیا جا سکتا تھا لیکن اب جبکہ جماعتی رشتہ بالکل ٹوٹ گیا ہے تو ہمیں اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا کہ ہم ترجمان کے ذریعہ اپنے دوستوں اور بزرگوں کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کریں۔

اس اشاعت سے ترجمان القرآن کی جلد ۵۲ کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ ہمیں الفاظ نہیں ملتے جن سے ہم اپنے خالق اور مالک کی بے پایاں رحمتوں اور نوازشوں کا شکریہ ادا کریں۔ ہم اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں کہ اس نے ہمارے لیے راستے کی دشواریوں اور مشکلات کو آسان فرمایا اور ہمیں توفیق بخشی کہ ہم دینِ حق کی اس کمزور اور نحیف لَو کو مخالفت کے طوفانوں اور مخاصمتوں کی فتنہ سامانیوں کے علی الرغم ابھی تک زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ محض اس مالک الملک کی کرم نوازی کا اعجاز ہے کہ یہ پرچہ وسائل و اسباب کی شدید کمی کے باوجود اپنے نصب العین کے پیشِ نظر حوادثِ روزگار کے مواج سمندر میں چٹان کی طرح استقلال کے ساتھ کھڑا رہا۔ کبھی کبھی اس سمندر کی اُبھرتی ہوئی تند و تیز موجوں نے چند سیک سیر لمحوں کے لیے اسے دنیا کی نظروں سے اوجھل بھی کر دیا، لیکن یہ بہت جلد پھر اُبھر آیا۔ اس میں ہماری کوششوں کا کوئی معمولی سے معمولی بھی دخل نہیں یہ محض خالق کا فضل ہے اور ہم اس کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لاتے ہیں۔

"دعوتِ دین" بظاہر تو صرف دو سادہ سے الفاظ کا مرکب ہے لیکن اگر اس کے پورے مضمرات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا یہ دراصل پوری دنیا کے خلاف محض خدا کی رضا جوئی کے لیے ایک دعوتِ مبارزت ہے۔ اس جنگ کا پہلا محاذ خود انسان کو اپنی ذات کے خلاف قائم کرنا پڑتا ہے۔ الحاد و زندقہ کے اس دور میں جس میں مادیت نے قدم قدم پر دام تزویر بچھا رکھا ہے کسی شخص کا دین کی خدمت کے لیے نکلنا بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اوّل تو ذہن اس کام کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا اور اگر اُسے جوں توں کر کے تیار بھی کر لیا جائے تو پھر دل ساتھ نہیں دیتا۔ انسان

کا ازلی دشمن شیطان جو ہر وقت اس کی گھات میں لگا رہتا ہے اسے ہر منزل پر بہکاتا ہے۔ مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس کا راستہ روکتا ہے، کئی قسم کی اُلجھنوں میں اسے اُلجھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے ذہن میں شکوک و شبہات کے کانٹے چبھوتا ہے، اس کے دل میں ہزاروں قسم کے وساوس پیدا کرتا ہے۔ الغرض وہ اس کام سے باز رکھنے کے لیے ساری چالیں بڑی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ چلتا ہے مگر اللہ کا یہ بندہ جب اس کے فریب میں نہیں آتا اور دعوت کا کام شروع کر دیتا ہے تو یہ کمبخت تب بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس کام کے مختلف مراحل میں وہ اس کے لیے عجیب و غریب فتنے کھڑے کر دیتا ہے۔ کبھی وہ دعوت کے مقابلے میں اُس کی اپنی شخصیت کو ابھار ابھار کر سامنے لاتا ہے، کبھی وہ اس کے ذہن میں اس باطل خیال کی آبیاری کرتا ہے کہ دعوتِ حق کا جو کام ہو رہا ہے وہ صرف اُس کی قوتِ فکر و عمل کی کرشمہ سازی ہے، کبھی وہ اس کے اخلاص کو غارت کرنے کی سعی کرتا ہے اور برابر اس تاک میں رہتا ہے کہ اگر وہ اس سرمایۂ آخرت کو پوری طرح برباد نہ بھی کر سکے تو اس میں حسنِ نیت کا زیادہ سے زیادہ جوہر نکال کر لے جائے۔ یہ اور اسی قسم کے بیشمار ایسے حربے ہیں جن کی مدد سے یہ ستمگر اسے جادۂ مستقیم سے ہٹاتا ہے۔ پھر چونکہ یہ ظالم خون کی طرح ہمارے جسم کے اندر دوڑتا ہے اس لیے ہم اسے پکڑ بھی نہیں پاتے اور دین و ایمان کا یہ چالاک دشمن بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ ہم اپنے زعم میں یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم دین کی کوئی بہت بڑی خدمت سرانجام دے رہے ہیں، لیکن اللہ کے ہاں ہماری وہی خدمت ہمارے نامۂ اعمال کی سیاہی بن جاتی ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص کے لیے دشمن سے دیوانہ وار ٹکرا جانے کی ہمت پیدا کر لینا آسان ہے مگر اپنے نفس سے، اپنی خواہشات سے لڑائی مول لینا بہت مشکل۔ آدمی مخالفت کے بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کر سکتا ہے، بڑے بڑے جباروں اور قہاروں کے سامنے حق بات کہنے کی جسارت کر لیتا ہے لیکن خود اپنے ضمیر کے آئینے کے سامنے کھڑے ہونے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔ وہ دوسروں کے عیوب اور برائیوں پر بڑی چابکدستی کے ساتھ گرفت کرتا ہے لیکن اپنے اندر اتنی ہمت

نہیں پاتا کہ کبھی اپنے نہاں خانۂ دل میں جھانک کر خود اپنے نفس کا بھی جائزہ لے۔ اپنی ذات کا تجزیہ اور اس کا محاسبہ دنیا کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ اسی وجہ سے انسانی زندگی کے سب سے بڑے رمز شناس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا:

الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت، والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ۔ (ترمذی)	عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا جائزہ لے اور آخرت کے لیے عمل کرے۔ پیچھے رہ جانے والا وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشوں کے پیچھے ڈال دے اور اللہ سے بڑی امیدیں لگائے بیٹھا رہے۔

اس لڑائی کا دوسرا مورچہ جاہلیت کے سر پر قائم ہوتا ہے۔ دین کا علم بلند ہوتے ہی بپھرا ہوا کفر و الحاد ایک لشکر جرار کے ساتھ ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس ہو کر مقابلے پر آڈٹتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں اسی کی صفیں توڑنے میں کھپ جاتی ہیں۔ لیکن اس لڑائی میں ایک مصیبت یہ پیش آتی ہے کہ بسا اوقات خود اپنے بھائی بندوں ہی میں سے ایک کثیر تعداد الحاد اور زندقہ کی حمایت کرنے لگتی ہے۔ ان میں عموماً دو قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مادہ پرستی کے سحر کے زیر اثر ہوں اور دوسرے وہ جنہیں الحاد نے کچھ دنیوی مراعات اور مناصب عطا کر رکھے ہوں۔ یہ سب حضرات مل کر دانستہ یا نادانستہ دین کا رستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان سے نپٹنا کوئی سہل اور آسان کام نہیں ہے۔

مگر اس جنگ کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اس میں بعض اوقات اُن لوگوں کے خلاف بھی لب کشائی کرنی پڑتی ہے جن کے لیے دلوں میں بے حد احترام ہوتا ہے اور جنہیں انسان حقیقتاً صرف امت کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری نوع بشری کے لیے رحمت سمجھتا ہے۔ ہماری قوم اس گئے گزرے دور میں بھی صلحاء کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ اس میں ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں

جن کی شرافت، پاکبازی، دیانتداری، دین سے محبت اور اخلاص کی قسم کھائی جاسکتی ہے مگر بدقسمتی یہ ہے کبھی کبھی شیطان اُن کے اور ہمارے درمیان بعض ایسی غلط فہمیاں پیدا کر دیتا ہے جن سے وہ میل کا وہ ملاپ باقی نہیں رہتا جو حق کے سارے علمبرداروں میں فی الواقع ہونا چاہیے ان غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے اکثر اوقات بادلِ نخواستہ کچھ کہنا بھی پڑتا ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ اظہارِ مدعا میں کبھی کبھی تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے جو صدمہ انہیں پہنچتا ہے ہمارے لیے وہ ہمیشہ باعثِ تکلیف ہوتا ہے۔ یہ تکلیف ہمارے نزدیک دوسری ساری تکلیفات سے شدید اور یہ مرحلہ دوسرے سارے مراحل سے صبر آزما ہے۔ مگر کیا کیا جائے اس سے کوئی مفر بھی نہیں۔

اس کے علاوہ اپنے ہم سفر رفقا کو بھی بار بار جھنجھوڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دعوت کی ان دشوار گزار گھاٹیوں کو طے کرتے ہوئے بیشمار مراحل ایسے آتے ہیں جہاں رفقا ہمت ہار دیتے ہیں یا اُن کے قدم اکھڑنے لگتے ہیں۔ اس لیے ہر آن یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اپنے رفقا کی ہمت بندھائی جائے، ان کی کمزوریوں اور خامیوں سے انہیں آشنا کیا جائے، اُن کی راہ سے شکوک و شبہات کے کانٹے دُور کیے جائیں۔

لیکن ان سب دقتوں اور مشکلات سے بڑھ کر سب سے بڑی دقت اور مشکل یہ ہے کہ یہ دعوت ایک عظیم دعوت ہے اور اس لحاظ سے عظیم انسانوں کی خدمات کی طالب۔ اس کے لیے ہم جیسے ناکارہ انسان کسی طرح بھی موزوں نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ دعوت ہے جس کے پھیلانے کے لیے خداوند تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام جیسی عظیم الشان ہستیوں کو مبعوث فرمایا اور سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد یہ کام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابہؓ نے اپنے ذمہ لیا۔ تاریخ کے ہر دور میں اس فرض کی بجا آوری کے لیے بڑے بڑے ائمہ اور صلحا آگے بڑھے جب ہم ایک طرف اس کام کی عظمت اور دوسری طرف ایک نگاہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں

پر ڈالتے ہیں تو یقین جانیے جسم لرز جاتا ہے ؎

اگر گویم مسلمانم بلرزم ۔۔۔ کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

ذہن میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ جس دعوت کے پیش کرنے والے حضرت آدمؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت عیسیٰؑ اور نبی آخر الزماں محمد رسول اللہؐ جیسے بزرگ اور برتر انسان ہوں ، پھر جس کام کو حضرت صدیق اکبرؓ ، حضرت عمر فاروقؓ ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے سرانجام دیا ہو ۔ اس کے بعد جسے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ، امام احمد بن حنبلؒ ، امام ابن تیمیہؒ ، مجدد الف ثانیؒ ، شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسے مردانِ کار میسر آتے ہوں ، وہ ایک ایسا کام نہیں جسے ہم جیسے بے علم اور عمل و اخلاص سے عاری لوگ کر سکیں ۔ اسلام بلا شبہ ہوا اور پانی کی طرح قدرت کا ایک عطیہ ہے اور اس پر کسی شخص کو اجارہ داری حاصل نہیں لیکن آخر اس امر حق کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے دل کے پیمانے تو پاک اور مصفا ہونے چاہئیں ۔ یہ احساس ہمارے لیے ہمیشہ وجہ اضطراب رہا ہے ۔ یہ ایک ایسی پریشانی ہے جس سے ہمیں کسی لمحہ بھی نجات نہیں ملی ۔ ہم نے اپنی حالتِ زار اور دعوت کی عظمت پر گھنٹوں نہیں بلکہ مہینوں اور برسوں غور کیا ہے اور ضمیر کے قاضی سے بار بار یہ فتویٰ طلب کیا ہے کہ کیا ہم جیسے نااہلوں کے لیے یہ مناسب ہے کہ ہم اس نازک ذمہ داری کے لیے آگے بڑھیں ۔ یہ بات کسی جھوٹی کسر نفسی کی بنا پر نہیں بلکہ بطور ایک امر واقعہ کے بیان کر رہے ہیں کہ ضمیر کا فتویٰ ہمیشہ ہمارے خلاف رہا ہے ۔ اس وقت طبیعت پر ایک شدید اضمحلال طاری ہو جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے گویا کہ ہم یاس و قنوطیت کے ہاتھوں بکے جا رہے ہیں ۔ مگر عین ان احساسات کے درمیان اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہمیں اطمینان اور سکون بخشتا ہے :

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ	کہہ دو اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ تعالیٰ یقیناً تمام گناہوں کو بخش دیگا بیشک وہ بخشنے والا رحمت والا ہے

(باقی صفحہ ۶ پر)

محسنِ انسانیت

ایک نظر میں

(حضورؐ پاک کی شخصیت کا ایک اجمالی خاکہ)

از جناب ابوالسلام نعیم صدیقی صاحب

ایک جھلک[1] کسی بھی شخصیت کو سمجھنے میں اس کی وجاہت بہت بڑی مدد دیتی ہے۔ آدمی کا سراپا، اس کے بدن کی ساخت، اس کے اعضاء کا تناسب خاص، اس کے ذہنی، اخلاقی اور جذباتی مرتبے کا آئینہ دار ہوتا ہے خصوصاً چہرہ ایک ایسا قرطاس ہوتا ہے جس پر انسانی کردار اور کارناموں کی ساری داستان لکھی ہوتی ہے اور اس پر ایک نظر ڈالتے ہی ہم کسی کے مقام کا تصور کر سکتے ہیں۔

ہم بعد کے لوگوں کی یہ کوتاہی قسمت ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے انسان کا روئے زیبا ہمارے سامنے نہیں ہے اور نہ ہم عالم واقعہ میں سر کی آنکھوں سے زیارت کا شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم حضورؐ کے حسن و جمال کی جو کچھ بھی جھلک پا سکتے ہیں، وہ حضورؐ کے پیغام اور کارنامے کے آئینے ہی میں پا سکتے ہیں۔

حضورؐ کی کوئی حقیقی شبیہ یا تصویر موجود نہیں ہے۔ خود ہی حضورؐ نے امت کو اس سے باز رکھا، کیونکہ تصویر کا فتنہ شرک سے ورے ورے نہ رک سکتا۔ حضورؐ کی اگر کوئی تصویر موجود ہوتی تو نہ جانے اس کے ساتھ کیا کیا کرامات اور اعجاز منسوب ہو جاتے اور اس کے اعزاز کے لیے کیسی کیسی رسمیں اور تقریبیں نمودار ہو چکی ہوتیں، بلکہ بعید نہ تھا کہ اس کی پرستش ہونے لگتی۔ یورپ میں حضورؐ کی فرضی تصاویر بنائی جاتی رہی ہیں، لیکن کونسا آرٹسٹ ایسا ہے کہ جو حضورؐ کے عالمِ خیال اور کردار کا

[1] دوسری کتابیں بھی سامنے ہیں، لیکن اس موضوع کے لیے مؤلف زیادہ تر شمائل ترمذی کا منت کش رہا۔

شوشہ بہ شوشہ کامل اور جامع تصوّر رکھتا ہو اور پھر اس تصوّر کو لکیروں اور رنگوں میں پوری طرح جلوہ گر کر سکے۔ فرضی تصویریں جو کچھ بھی بنتی ہیں وہ اس مخصوص پیکر کی نہیں ہوتیں جس کا اسم مبارک محمدؐ تھا بلکہ کسی موہوم وجود کا خاکہ گھڑ کر اس کو حضورؐ کا نام دے دیا جاتا ہے۔ معاملہ دیانت کے تابع بھی نہیں رہتا، بلکہ دانستہ ایسی تصویریں پیش کی جاتی ہیں جن سے ایک کمزور اور ناقص شخصیت کا تصور پیدا ہو۔ ان تصاویر کے لیے رنگ انہی متعصبانہ تصانیف اور چرچوں سے لیا جاتا ہے جو عناد اور کج فہمی اور حقیقت ناشناسی کے مظہر ہیں۔ انبیاء اور صلحاء کی فرضی تصاویر بنانے یا ان کے کردار ڈراموں میں لانے سے نقصان یہی ہے کہ ان کے اصل کردار ان پردوں کے پیچھے بالکل گم ہو کے نہ رہ جائیں۔

لیکن حضورؐ کے صحابیوں نے کم سے کم پردۂ الفاظ میں حضورؐ کی شبیہ کو مرتب کر دیا ہے اور اسے محفوظ حالت میں اصحابِ روایت نے ہم تک پہنچا دیا ہے۔ یہاں ہم اسی لفظی شبیہ کو پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین حضورؐ کے کردار کا مطالعہ کرنے سے پہلے اس عظیم انسان کی ایک جھلک دیکھ لیں۔ یہ گویا ایک نوع کی ملاقات ہے۔ ایک تعارف!!

حضورؐ کے چہرۂ اقدس، قد و قامت، خد و خال، چال ڈھال اور وجاہت کا جو عکس صدیوں کے پردوں سے چھن کر ہم تک پہنچتا ہے وہ بہر حال ایک ایسے انسان کا تصوّر دلاتا ہے جو ذہانت، شجاعت، صبر و استقامت، راستی و دیانت، عالی ظرفی، سخاوت، فرض شناسی، وفا و انکسار اور فصاحت و بلاغت جیسے اوصافِ حمیدہ کا جامع تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ حضورؐ کے جسمانی نقشے میں روحِ نبوت کا پرتو دیکھا جا سکتا ہے اور آپؐ کی وجاہت خود آپؐ کے مقدس مرتبہ کی ایک دلیل تھی۔ اس موقعہ پر آپ کا ایک ارشاد یاد آیا۔ فرمایا ان التقوی اللہ تبیض الوجوہ۔ خدا کا تقویٰ ہی چہروں کو روشن کرتا ہے۔ نبوت تو ایمان و تقویٰ کی معراج ہے، نبی کا چہرہ تو نور افشاں ہونا ہی چاہیے۔

سو یہ ہے اس آفتابِ حق کی ایک جھلک:

وجاہت —

★ "میں نے جونہی حضورؐ کو دیکھا تو فوراً سمجھ لیا کہ آپؐ کا چہرہ ایک جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہو سکتا"[۱] [عبداللہ بن سلامؓ]

★ "میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو لوگوں نے دکھایا کہ یہ ہیں خدا کے رسولؐ! ... دیکھتے ہی میں نے کہا "واقعی یہ اللہ کے نبیؐ ہیں!"[۲] [ابو رمثہ تیمی]

★ "مطمئن رہو۔ میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا تھا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھا۔ وہ کبھی تمہارے ساتھ بدمعاملگی کرنے والا شخص نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا آدمی (اونٹ کی) رقم ادا نہ کرے تو میں اپنے پاس سے ادا کر دوں گی"[۳]

[ایک معزز خاتون]

★ "ہم نے ایسا خوب رو شخص کوئی اور نہیں دیکھا[۴] ... ہم نے اس کے منہ سے

۱۔ یہود کے ایک بڑے عالم تھے جن کا نام حصین تھا۔ سرورِ عالم کے مدینہ آنے پر یہ دیکھنے کو گئے دیکھتے ہی ان کو جو تاثر ہوا، بعد میں اسے انھوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ایمان لائے اور عبداللہ نام تجویز ہوا۔ (سیرۃ المصطفیٰ۔ مولانا ادریس کاندھلوی۔ جلد اول ص ۲۴۹: ۲۵)

۲۔ شمائل ترمذی

۳۔ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ وارد ہوا اور شہر سے باہر ٹھہرا۔ حضورؐ کا اتفاقاً اس طرف گزر ہوا۔ ایک اونٹ کا سودا کر لیا اور یہ کہہ کر اونٹ ساتھ لے آئے کہ قیمت بھجوائے دیتا ہوں۔ بعد میں قافلے والوں کو تشویش ہوئی کہ بغیر جان پہچان کے معاملہ کر لیا۔ اس پر سردارِ قافلہ کی خاتون نے مذکورہ فقرہ کہا۔ یہ واقعہ طارق بن عبداللہ نے بیان کیا جو خود شریکِ قافلہ تھے۔ بعد میں حضورؐ نے طے شدہ قیمت سے زیادہ مقدار میں کھجوریں بھجوا دیں۔

(سیرت النبی مولانا شبلی مرحوم۔ جلد دوم ص ۲۸۰۔ المواہب اللدنیہ۔ ج ۱ ص ۲۴۲)

۴۔ یہ خواتین حضورؐ کی خدمت میں ابو قرصافہ کے ساتھ بیعتِ اسلام کے لیے گئی تھیں اور لوٹتے ہوئے انھوں نے اپنے تاثرات بیان کیے۔ (المواہب اللدنیہ جلد اول ص ۲۵۵)

روشنی سی نکلتی دیکھی ہے" [ابو قرصافہ کی والدہ اور خالہ]

★ "حضورؐ سے زیادہ خوب رو کسی کو نہیں دیکھا۔ ایسا لگتا، گویا آفتاب چمک رہا ہے"

[ابو ہریرہ]

★ "اگر تم حضورؐ کو دیکھتے تو سمجھتے کہ سورج طلوع ہو گیا ہے"

[ربیع بنت معوذ]

★ "دیکھنے والا پہلی نظر میں مرعوب ہو جاتا" [حضرت علیؓ]

★ "میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضورؐ کو دیکھ رہا تھا۔ آپ اس وقت سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کو۔ بالآخر میں اس فیصلے پر پہنچا کہ حضور اکرمؐ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں" [حضرت جابر بن سمرۃؓ]

★ "خوشی میں حضورؐ کا چہرہ ایسا چمکتا گویا چاند کا ٹکڑہ ہے۔ اسی چمک کو دیکھ کر ہم آپؐ کی خوشی کو پہچان جاتے تھے" [کعب بن مالک]

★ "چہرے پر چاند کی سی چمک تھی" [ہند بن ابی ہالہ]

چہرہ

★ "بدر کی طرح گولائی لیے ہوئے" [براء بن عازب]

★ "چہرہ بالکل گول نہیں تھا — ہلکی گولائی لیے ہوئے" [حضرت علی]

★ "پیشانی کشادہ — ابرو خمدار — باریک اور گنجان — دونوں جدا جدا! — دونوں کے درمیان میں ایک رگ کا ابھار جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا"

[ہند بن ابی ہالہ]

★ "مسرت پیشانی سے جھلکتی تھی" [کعب بن مالک]

رنگت

★ "نہ چونے کی طرح سفیدی — نہ سانولہ پن۔ گندم گوں جس میں سفیدی غالب تھی۔" [حضرت انس]

★ "سفید، سرخی مائل" [حضرت علی]

★ "سفید مگر ملاحت دار" [ابو الطفیل]

★ "سفید — چمک دار" [ہند بن ابی ہالہ]

★ "گویا کہ چاندی سے بدن ڈھلا ہوا تھا" [حضرت ابو ہریرہؓ]

آنکھیں —

★ "آنکھیں سیاہ — پلکیں دراز" [حضرت علی]

★ "پتلیاں سیاہ — نظریں نیچی — گوشۂ چشم سے دیکھنے کا حیاوارانہ انداز" [ہند بن ابی ہالہ]

★ "سفید حصے میں سرخ ڈورے — آنکھوں کا خانہ لمبا۔ قدرتی سرمگیں"

[جابر بن سمرہ]

ناک —

★ "بلندی مائل — اس پر نورانی چمک — جس کی وجہ سے ابتدائی نظر میں بڑی معلوم ہوتی۔" [ہند بن ابی ہالہ]

رخسار —

★ "ہموار اور ہلکے — نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا" [ہند بن ابی ہالہ]

دہن —

★ "فراخ —" [جابر بن سمرہ]

★ "بہ اعتدال سے فراخ" [ہند بن ابی ہالہ]

دندان مبارک —

★ "باریک — آبدار — سامنے کے دانتوں میں خوشنما ریخیں" [حضرت ابن عباس]

★ "تکلم فرماتے تو دانتوں سے چمک سی نکلتی معلوم ہوتی" [حضرت انس]

ریش —

★ "بھرپور اور گنجان بال" [ہند بن ابی ہالہ]

گردن ——

★ "پتلی، لمبی —— جیسے مورتی کی طرح خوبصورتی سے تراشی گئی ہو۔"

★ "گردن کی رنگت چاندی جیسی اجلی اور خوشنما" [ہند بن ابی ہالہ]

سر ——

★ "بڑا —— مگر اعتدال اور مناسبت کے ساتھ" [ہند بن ابی ہالہ]

بال ——

★ "قدرے خمدار" [حضرت ابوہریرہ]

★ "نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے —— نہ زیادہ پیچدار" [قتادہ]

★ "ہلکا خم لیے ہوئے" [حضرت انس]

★ "گنجان —— کبھی کبھی کانوں کی لو تک لمبے! کبھی شانوں تک"! [براء بن عازب]

★ "درمیان سے نکلی ہوئی مانگ" [ہند بن ابی ہالہ]

★ "بدن پر بال زیادہ نہ تھے —— سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر" [حضرت علی]

[ہند بن ابی ہالہ]

★ کندھوں، بازوؤں اور سینہ کے بالائی حصہ پر تھوڑے سے بال تھے"

[ہند بن ابی ہالہ]

مجموعی ڈھانچہ ——

★ "بدن گٹھا ہوا —— اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط" [ہند بن ابی ہالہ]

★ "بدن موٹا نہیں تھا" [حضرت علیؓ]

★ "قد —— نہ زیادہ لمبا تھا، نہ پست! —— میانہ" [حضرت انس]

★ "قامت مائل بہ درازی! —— مجمع میں ہوں تو دوسروں سے قد نکلتا ہوا معلوم

ہوتا:"

[براء بن عازب]

★ "توند بڑھی ہوئی نہ تھی۔"

[ام معبد]

★ دنیوی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے والوں سے حضورؐ کا جسم (باوجود فقر و فاقہ کے) زیادہ تر و تازہ اور توانا تھا۔"

[المواہب ج ۱ ص ۲۰۱]

★ میں نے رسولؐ اللہ سے بڑھ کر کوئی اور بہادر اور شہزور نہیں دیکھا۔[2] [ابن عمر]

کندھے اور سینہ ———

★ "سینہ چوڑا — سینہ اور پیٹ ہموار۔"

[ہند بن ابی ہالہ]

★ "سینہ چوڑا"

[براء بن عازب]

★ "مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے ذرا زیادہ"

[ہند بن ابی ہالہ، براء بن عازب]

★ "کندھوں کا درمیانی حصہ پُر گوشت"

[حضرت علی]

بازو اور ہاتھ ———

★ "کلائیاں دراز — ہتھیلیاں فراخ — انگلیاں موزوں حد تک دراز۔"

[ہند بن ابی ہالہ]

★ ریشم کا دبیز یا باریک کوئی کپڑا یا کوئی اور چیز ایسی نہیں جسے میں نے چھوا ہو اور وہ حضورؐ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم و گداز ہو۔"

[حضرت انس]

قدم ———

---

[1] مشہور واقعہ ہے کہ حضورؐ نے عمرہ کیا تو سو اونٹ بہ نفسِ نفیس ہانکے اور ان کو نحر کیا اور مساکین میں تقسیم کیا۔

[2] مکہ میں رکانہ نامی ایک پہلوان تھا جو اکھاڑوں میں کشتیاں لڑتا۔ ایک دن حضورؐ کسی ملحقہ وادی میں اس سے ملے اور اپنی دعوت دی۔ اس نے دعوت کے لیے کوئی معیارِ صدق طلب کیا۔ اس کے ذوق کے پیشِ نظر حضورؐ نے کشتی کرنا پسند کر لیا۔ تین بار کشتی ہوئی اور تینوں بار آپ نے اسے پچھاڑ دیا! اسی رکانہ پہلوان کے بیٹے ابو جعفر محمد کی یہ روایت حاکم نے مستدرک میں لی ہے اور ابو داؤد اور ترمذی نے اسے پیش کیا ہے۔ بیہقی نے سعید بن جبیر کی دوسری روایت لی ہے جس میں آتا ہے کہ حضورؐ نے بعض دوسرے لوگوں کو بھی کشتی میں پچھاڑا ہے جن میں ایک ابو الاسود جمحی بھی ہے۔
(المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۰۴ - ۲۰۵)

★ "پنڈلیاں پُرگوشت نہ تھیں — ہلکی ہلکی سُتی ہوئی" [جابر بن سمرہ]

★ "ہتھیلیاں اور پاؤں پُرگوشت — تلوے قدرے گہرے — قدم چکنے کہ پانی نہ ٹھہرے" [ہند بن ابی ہالہ]

★ "ایڑیوں پر گوشت بہت کم" [جابر بن سمرہ]

ایک جامع لفظی تصویر | یُوں تو حضورؐ کے متعدد رفقاء نے حضورؐ کی شخصیت کے مرقعے لفظوں میں پیش کیے ہیں، لیکن ام معبدؓ نے جو تصویر مرتب کی ہے اس کا جواب نہیں۔ وادیِ ہجرت کا سفر طے کرتے ہوئے مسافرِ حق جب اپنی منزلِ اوّل (غارِ ثور) سے چلا تو پہلے ہی روز قوم خزاعہ کی اس نیک نہاد بڑھیا کا خیمہ راہ میں پڑا۔ حضورؐ اور آپ کے ہمراہی پیاسے تھے۔ فیضانِ خاص تھا کہ مریل سی بھوکی بکری نے اس لمحہ وافر مقدار میں دودھ دیا۔ حضورؐ نے بھی پیا، ہمراہیوں نے بھی اور کچھ بچ رہا۔ ام معبد کے شوہر نے گھر آکر دودھ دیکھا تو اچنبھے سے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے سارا حال بیان کیا۔ وہ پوچھنے لگا کہ اچھا اس قریشی نوجوان کا نقشہ تو بیان کرو، یہ وہی تو نہیں جس کی تمنا ہے۔ اس پر ام معبد نے حسین ترین الفاظ میں تصویر کھینچی۔ ام معبد کو نہ تو کوئی تعارف تھا، نہ کسی طرح کا تعصب، بلکہ جو کچھ دیکھا من عن کہہ دیا۔ اصل عربی میں دیکھنے کی چیز ہے[1]۔ اس کا جو ترجمہ مؤلف رحمۃ للعلمین نے کیا ہے اسی کو ہم یہاں لے رہے ہیں:

"پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خُو، نہ توند نکلی ہوئی، نہ چندیا کے بال گرے ہوئے، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں بھاری پن، بلند گردن، روشن مردمک، سرمگیں چشم، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش وقار کے ساتھ، گویا دلبستگی لیے ہوئے، دُور سے دیکھنے میں زیبندہ و دلفریب، قریب سے نہایت شیریں و کمال حسین، شیریں کلام، واضح الفاظ، کلام کمی و بیشیِ الفاظ سے معرا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی،

---

[1] ملاحظہ ہو: زاد المعاد ج ۱ ص ۳۰۷

میانہ قد کہ کوتاہی نظر سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی، زیبندہ نہال

کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر، والا قدر، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد و پیش رہتے ہیں،

جب وہ کچھ کہتا ہے تو چپ چاپ سنتے ہیں، جب حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں

مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ فضول گو[۱]!"

لباس آدمی کی شخصیت کا واضح اظہار اس کے لباس سے بھی ہوتا ہے۔ اس کی وضع قطع، قصر و طول، رنگت، معیار، صفائی اور ایسے ہی مختلف پہلو بتا دیتے ہیں کہ کسی لباس میں ملبوس شخصیت کس ذہن و کردار سے آراستہ ہے۔ نبی اکرم کے لباس کے بارے میں حضورؐ کے رفقاء نے جو معلومات دی ہیں وہ بڑی حد تک حضورؐ کے ذوق کو نمایاں کر دیتی ہیں۔ حضورؐ نے لباس کے معاملے میں درحقیقت اس آیت کی عملی شرح پیش فرمائی ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا	اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے ستر ڈھانکنے والا اور
یُّوَارِیْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ	تمہیں زینت دینے والا لباس تمہارے لیے مقرر کیا
التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَیْرٌ ؕ (اعراف - ۲۶)	ہے اور لباسِ تقویٰ بہترین ہے۔

دوسرا پہلو لباس کا "سرابیل تقیکم الحر وسرابیل تقیکم باسکم" (تمہیں گرمی سے بچانے اور جنگ میں محفوظ رکھنے کے لیے قمیصیں اور زرہیں فراہم کیں ــــ النحل) کے الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ سو حضورؐ کا لباس ساتر تھا، زینت بخش تھا اور بایں ہمہ لباسِ تقویٰ تھا۔ اس میں ضرورت کا بھی لحاظ تھا، وہ چند کپڑے اخلاقی اصولوں کی پابندی کا مظہر بھی تھا اور ذوقِ سلیم کا ترجمان بھی۔ حضورؐ کو کبر یا سے بُعد تھا اور ٹھاٹھ باٹھ سے رہنا ناپسند تھا۔ فرمایا: انما انا عبد آلبس کما یلبس العبد[۲] "میں تو بس خدا کا ایک بندہ ہوں اور بندوں کی طرح سے لباس پہنتا ہوں۔" ریشم۔ دیبا اور حریر کو مردوں کے لیے آپ نے حرام قرار دیا۔ ایک بار تحفہ میں آئی ہوئی ریشمی قبا پہنی اور پھر فوراً اضطراب کے ساتھ اتار پھینکی (مشکوٰۃ)۔ تہ بند، قمیص اور عمامہ کی لمبائی چونکہ علامتِ کبر تھی اور یہ طریقِ لباس متکبرین میں

---

[۱] ملاحظہ ہو: زاد المعاد ج ۱ ص ۳۰۷ [۲] المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۳۲۵۔

رائج تھا اس لیے اس سے سخت تنفر تھا[1]۔ دوسری قوموں خصوصاً مذہبی طبقوں کے مخصوص فیشنوں کی تقلید اور نقالی کو بھی حضورؐ نے ممنوع ٹھہرایا[2] تاکہ امت میں اپنی خودی اور عزتِ نفس برقرار رہے نیز فیشن اور لباس کی تقلید نظریات و کردار کی تقلید پیدا کرنے کا سبب نہ بن سکے۔ چنانچہ حضورؐ نے اسلامی تمدن کے تحت فیشن، آداب اور ثقافت کا ایک نیا ذوق پیدا کر دیا۔ لباس میں موسمی تحفظ، ستر، سادگی، نظافت، نفاست اور وقار کا حضورؐ کو خاص لحاظ تھا۔ اگر ہم حضورؐ کے لباس کو وقت کے تمدنی دور، عرب کی موسمی اور جغرافی اور تمدنی ضروریات و مروجات کے نقشے میں رکھ کر دیکھیں تو وہ بڑے معیاری ذوق کا آئینہ دار ہے۔ آئیے حضورؐ کے لباس پر ایک نگاہ ڈالیں[3]۔

کُرتا (قمیص) بہت پسند تھا۔ کرتے کی آستین نہ تنگ رکھتے، نہ زیادہ کھلی۔ درمیانی ساخت پسند تھی۔ آستین کلائی اور ہاتھ کے جوڑ تک پہنچتی۔ سفر (خصوصاً جہاد) کے لیے جو کُرتا پہنتے اس کے دامن اور آستین کا طول ذرا کم ہوتا۔ قمیص کا گریبان سینہ پر ہوتا جسے کبھی کبھار (موسمی تقاضے سے) کھلا بھی رکھتے اور اس حالت میں نماز پڑھتے۔ کرتا پہنتے ہوئے پہلے سیدھا ہاتھ ڈالتے، پھر اُلٹا۔ رفیقوں کو اسی کی تعلیم دیتے۔ (داہنے ہاتھ کی فوقیت اور اچھے کاموں کے لیے داہنے ہاتھ کا استعمال حضورؐ کی سکھائی ہوئی اسلامی ثقافت کا ایک اہم عنصر ہے۔)

عمر بھر تہبند (لنگی) استعمال فرمایا جسے ناف سے ذرا نیچے باندھتے اور نصفِ ساق تک (ٹخنوں سے ذرا اونچا) رکھتے۔ سامنے کا حصہ قدرے زیادہ جھکا رہتا۔

پاجامہ (سراویل)، دیکھا تو پسند کیا، آپؐ کے صحابی پہنتے تھے، ایک بار خود خریدا فرمایا۔ (اختلاف ہے کہ پہنا یا نہیں) اور وہ آپؐ کے ترکہ میں موجود تھا۔ اس کی خریداری کا قصہ دلچسپ ہے

۱؎ بہت سی روایات ہیں۔ مثلاً سالم کی روایت اپنے والد سے، مندرجہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ۔ "لباس شہرت" پر وعید از ابن عمر۔ مندرجہ ترمذی، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ

۲؎ مثلاً روایت ابن عمر مندرجہ احمد و ابوداؤد۔

۳؎ تفاصیل کے حوالے نہیں دیئے جا سکتے۔ ماخذ کے طور پر زیادہ تر شمائل ترمذی، زاد المعاد اور المواہب اللدنیہ سامنے ہیں

حضرت ابوہریرہؓ کو ساتھ لیے ہوئے حضورؐ بازار گئے اور بزازوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ چار درہم پر پاجامہ خریدا۔ بازار میں اجناس کو تولنے کے لیے ایک خاص وزّان مقرر تھا۔ وزن کرانے گئے اور اس سے کہا کہ اسے تولو (اتّزن وارجح)۔ وزّان کہنے لگا کہ یہ الفاظ میں نے کسی اور سے کبھی نہیں سنے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے توجہ دلائی: الا تعرف نبیّک؟ ـ تم اپنے نبیؐ پاک کو پہچانتے نہیں۔ وہ ہاتھ چومنے کو بڑھا تو آپؐ نے روکا کہ یہ عجمیوں کا (یعنی غیر اسلامی) طریقہ ہے۔ بہرحال وزن کرایا اور پاجامہ خرید کر لے چلے حضرت ابوہریرہؓ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیا آپ اسے پہنیں گے؟ تعجب غالباً اس بنا پر ہوا ہوگا کہ ایک تو دیرینہ معمول میں ایسی نمایاں تبدیلی عجیب لگی، دوسرے پاجامہ اہلِ فارس کا لباس تھا اور تشبّہ سے حضورؐ کا اجتناب معلوم تھا (حالانکہ دوسرے تمدنوں کے اچھے اجزا کو حضورؐ قبول فرماتے تھے)۔ آپؐ نے جواب دیا: "ہاں پہنوں گا ـــ سفر میں بھی، حضر میں بھی، دن کو بھی رات کو بھی۔ کیونکہ مجھے حفظِ ستر کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے زیادہ ستر پوش لباس کوئی اور نہیں[1]"۔

سر پر عمامہ باندھنا پسندِ خاص تھا۔ نہ بہت بھاری ہوتا تھا نہ چھوٹا۔ ایک روایت کے لحاظ سے ۷ گز لمبائی ہوتی تھی۔ عمامہ کا شملہ بالشت بھر ضرور چھوڑتے جو پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے درمیان رہتا۔ آخری پلو پیچھے کے رخ اُڑس لیتے۔ تمازتِ آفتاب سے بچنے کے لیے شملہ کو پھیلا کر سر پر ڈال لیتے۔ اسی طرح موسمی حالات تقاضا کرتے تو آخری بل ٹھوڑی کے نیچے سے لے کر گردن کے گرد لپیٹ بھی لیتے۔ کبھی عمامہ نہ ہوتا تو کپڑے کی ایک دھجی (رومال) پٹی کی طرح سر سے باندھ لیتے[2] بر بنائے نظافت عمامہ کو تیل کی چکنائی سے بچانے کے لیے ایک خاص کپڑا (عربی نام "قناع") بالوں پر استعمال کرتے۔ جیسے کہ آج کل بھی بعض لوگ ٹوپیوں کے اندر کاغذ یا سلولائیڈ کا ٹکڑا رکھ لیتے ہیں۔ یہ دھجی چکنی نہ ہو جاتی مگر نظافت کا حال یہ تھا کہ (روایات میں تصریح ہے) اسے کبھی میلا اور گندہ نہیں دیکھا گیا۔ سفید کے علاوہ زرد (غالباً ٹمیالا، خاکستری مائل یا نسٹری) رنگ کا عمامہ بھی باندھا ہے۔

[1] المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۲۳۶

[2] ایک رائے یہ ہے کہ ایسا بیماری (خصوصاً دردِ سر) کی حالت میں ہوا۔

اور فتح مکہ کے موقع پر سیاہ بھی استعمال فرمایا۔ عمامہ کے نیچے کپڑے کی ٹوپی بھی استعمال میں رہی اور اسے پسند فرمایا۔ نیز روایات کے بموجب عمامہ کے ساتھ ٹوپی کا یہ استعمال گویا اسلامی ثقافت کا مخصوص طرز تھا اور اسے آپ نے مشرکین کے مقابلے پر امتیازی فیشن قرار دیا۔

عمامہ کے علاوہ کبھی خالی سفید ٹوپی بھی اوڑھتے۔ گھر میں اوڑھنے کی ٹوپی سر سے چپٹی ہوئی ہوتی۔ سفر پر نکلتے تو اٹھی ہوئی باڑ دار ٹوپی استعمال فرماتے۔ سوزنی نما سلے ہوئے کپڑے کی دبیز ٹوپی بھی پہنی ہے۔

اوڑھنے کی چادر ۴ گز لمبی ۲½ گز چوڑی ہوتی تھی کبھی لپیٹ لیتے، کبھی ایک پلّو سیدھے بغل سے نکال کر الٹے کندھے پر ڈال لیتے۔ یہی چادر کبھی کبھار بیٹھے ہوئے ٹانگوں کے گرد لپیٹ لیتے اور بعض مواقع پر اسے تہ کر کے تکیہ بھی بنا لیتے۔ معزز ملاقاتیوں کی تواضع کے لیے چادر اتار کر بچھا بھی دیتے۔ یمن کی چادر جسے حبرہ کہا جاتا تھا بہت پسند تھی۔ اس میں سرخ یا سبز دھاریاں ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ کے لیے سیاہ چادر (غالباً بالوں کی) بھی بنائی گئی۔ اسے اوڑھا تو پسینے کی وجہ سے بُو دینے لگی۔ چنانچہ نظافت کی وجہ سے پھر اسے نہیں اوڑھا۔

نیا کپڑا خدا کی حمد اور شکر کے ساتھ بالعموم جمعہ کے روز پہنتے۔ فاضل جوڑے بنوا کر نہیں رکھتے تھے۔ کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے، ان کی مرمت کرتے، احتیاطاً گھر میں دیکھ لیتے کہ مجمع میں بیٹھنے کی وجہ سے (مجالس اور نمازوں میں میلے کچیلے لوگ بھی آتے تھے اور صفائی کا عام معیار بھی آپؐ ہی نے مسلسل تربیت کر کر کے برسوں میں بلند کیا) کوئی جوں وغیرہ نہ آگھسی ہو۔

جہاں ایک طرف فقر و سادگی کی وہ شان تھی وہاں دوسری طرف آپؐ کو رہبانیت کا سدّباب بھی کرنا تھا اور اس اصول کا مظاہرہ بھی مطلوب تھا کہ "اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت (رزق) کا اثر اس کے بندے سے عیاں ہو"۔ سو حضورؐ نے کبھی کبھار اچھا لباس بھی زیب بدن فرمایا۔ آپؐ کا مسلک اعتدال تھا۔ اور انتہا پسندی سے امت کو بچانا مطلوب تھا۔ چنانچہ تنگ آستین کا

---

[1] عن عمر ابن شعیب عن ابیہ (ترمذی)، (عن ابی الاحوص عن ابیہ (نسائی)

رومی جبہ بھی پہنا (بخاری و مسلم) سرخ دھاری کا اچھا جوڑا بھی زیب بدن کیا۔ طیلسانی قسم کا کسروانی جبہ بھی کبھی کبھی پہنا۔ (المواہب اللدنیہ) جس کے گریبان کے ساتھ ریشمی گوٹ لگی تھی، اور ایک بار، ۲۷ اونٹنیوں کے بدلے میں ایک قیمتی جوڑا خرید فرمایا اور پہنا اور اس کے ساتھ نماز بھی پڑھی۔ یہ تفسیر تھی اس قول قرآنی کی کہ "پوچھو کون ہے اللہ کی عطا کردہ زینت کو حرام کرنے والا؟" بس یہ ہے کہ معمول عام سادگی تھا۔

کپڑوں کے لیے سب سے بڑھ کر سفید رنگ مرغوب خاطر تھا۔ فرمایا: "حق یہ ہے کہ تمہارے لیے مسجدوں میں بھی اور قبروں میں بھی اللہ کے سامنے جانے کا بہترین لباس سفید لباس ہے[۱]" فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو اور سفید ہی کپڑے سے اپنے مُردوں کو کفن دو، کیونکہ یہ زیادہ پاکیزہ اور پسندیدہ ہیں[۲]"

سفید کے بعد سبز رنگ بھی پسندیدہ تھا لیکن بالعموم اس شکل میں کہ ہلکی سبز دھاریاں ہوں۔ اسی طرح خالص شوخ سرخ رنگ بہت ہی ناپسند تھا (لباس کے علاوہ بھی اس کے استعمال کو بعض صورتوں میں ممنوع فرمایا) لیکن ہلکے سرخ رنگ کی دھاریوں والے کپڑے آپ نے پہنے۔ ہلکا زرد (مٹیالا یا شتری) رنگ بھی لباس میں دیکھا گیا۔

حضورؐ کا جوتا بوجہ عربی تمدن کے مطابق چپل یا کھڑاؤں کی سی شکل کا تھا جس کے دو تسمے تھے ـــ ایک انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان رہتا، دوسرا چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بیچ میں۔ جوتے پر بال نہ ہوتے تھے جیسے کہ معمولی ذوق کے لوگوں کے جوتوں پر ہوتے۔ یہ ایک بالشت ۲ انگل لمبا تھا، تلوے کے پاس سے سات انگل چوڑا اور دونوں تسموں کے درمیان پنجے پر سے دو انگل کا فاصلہ تھا۔ کبھی کھڑے ہو کر پہنتے، کبھی بیٹھ کر بھی۔ پہنتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں ڈالتے پھر بایاں اور اتارتے ہوئے پہلے بایاں پاؤں نکالتے پھر دایاں۔

جرابیں اور موزے بھی استعمال میں رہے۔ سادہ اور معمولی بھی اور اعلیٰ قسم کے بھی شاہِ

۱۔ روایت اسماء بنت ابی بکر (مسلم) ۳۔ ابو داؤد و ابن ماجہ

۲۔ عن سمرہ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

نجاشی نے سیاہ رنگ کے سادہ موزے بطور تحفہ بھیجے تھے، انہیں پہنا اور ان پر مسح فرمایا۔ اسی طرح دحیہ کلبی نے بھی موزے تحفہ میں پیش کیے تھے ان کو آپ نے پھٹنے تک استعمال فرمایا۔

چاندی کی انگوٹھی بھی استعمال فرمائی جس میں کبھی چاندی کا نگینہ ہوتا تھا، کبھی حبشی پتھر کا۔ بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ لوہے کی انگوٹھی پر چاندی کا پتر یا پالش چڑھا ہوا تھا۔ دوسری طرف یہ واضح ہے کہ لوہے کی انگوٹھی (اور زیور) سے آپؐ نے کراہت فرمائی ہے۔ انگوٹھی بالعموم داہنے ہی ہاتھ میں پہنی۔ کبھی کبھار بائیں میں بھی۔ درمیانی اور شہادت کی انگلی میں نہ پہنتے، چھنگلیا میں پہننا پسند تھا۔ نگینہ اوپر کی طرف رکھنے کے بجائے ہتھیلی کی طرف رکھتے۔ انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ" کے الفاظ ترتیب وار نیچے سے اوپر کو تین سطروں میں کندہ تھے۔ اس سے حضورؐ خطوط پر مہر لگاتے تھے۔ محققین کی یہ رائے قرینِ صحت ہے کہ انگوٹھی مُہر کی ضرورت سے بنوائی تھی اور سیاسی منصب کی وجہ سے اس کا استعمال ضروری تھا۔

وضع قطع اور آرائش | حضورؐ اپنے بال بہت سلیقے سے رکھتے۔ ان میں کثرت سے تیل کا استعمال فرماتے، کنگھا کرتے، مانگ نکالتے، لبوں کے زائد بال ترشنے کا اہتمام تھا۔ ڈاڑھی کو بھی طول و عرض میں قینچی سے ہموار کرتے۔ اس معاملے میں رفقاء کو تربیت دیتے۔ مثلاً ایک صحابی کو پراگندہ مو دیکھا تو گرفت فرمائی، ایک صحابی کی ڈاڑھی کے زائد بال بنفسِ نفیس تراشے۔ فرمایا کہ جو شخص سر یا ڈاڑھی کے بال رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ان کو سلیقے اور شائستگی سے رکھے۔ مثلاً ابوقتادہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اکرمہما" (ان کو سنوار کے رکھو)[1]۔

یہ تاکیدیں حضورؐ نے اس لیے فرمائی تھیں کہ بسا اوقات مذہبی لوگ صفائی اور شائستگی کے تقاضوں سے غافل ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً رنگِ تصوف جب بڑھتا ہے اور رہبانیت ابھرتی ہے تو غلیظ رہنا علوِ نسبت کی دلیل بن جاتا ہے۔ اس خطرے کا سدِّ باب فرمایا۔

سفر و حضر میں سات چیزیں ہمیشہ ساتھ رہتیں اور بستر کے قریب۔ (۱) تیل کی شیشی (۲) کنگھا

[1] روایت ابوہریرہ (ابوداؤد)

(ہاتھی دانت کا بھی)، (۳) سرمہ دانی (سیاہ رنگ کی)، (۴) قینچی (۵) مسواک (۶) آئینہ (۷) لکڑی کی ایک پتلی کھیچی۔

سرمہ رات کو سوتے ہوئے (تاکہ زیادہ نمایاں نہ ہو) تین تین سلائی دونوں آنکھوں میں ڈالتے آخر رات میں حاجات سے فارغ ہوکر وضو کرتے، لباس طلب کرتے اور خوشبو لگاتے ریحان کی خوشبو پسند تھی۔ مہندی کے پھول بھی بھینی خوشبو کی وجہ سے مرغوب تھے۔ مشک اور عود کی خوشبو سب سے بڑھ کر پسندیدہ رہی۔ گھر میں خوشبودار دھونی لیا کرتے۔ ایک عطردان تھا جس میں بہترین خوشبو موجود رہتی اور استعمال میں آتی (کبھی حضرت عائشہ اپنے دست مبارک سے خوشبو لگاتیں)۔ مشہور بات ہے کہ آپ جس کوچے سے گزر جاتے تھے، دیر تک اس میں مہک رہتی تھی اور فضائیں بتاتی تھیں کہ "گذر گیا ہے ادھر سے وہ کاروانِ بہار"۔ خوشبو ہدیہ کی جاتی تو ضرور قبول فرماتے اور کوئی اگر خوشبو کا ہدیہ لینے میں تامل کرتا تو ناپسند فرماتے۔ اسلامی ثقافت کے مخصوص ذوق کے تحت آپؐ نے مردوں کے لیے ایسی خوشبو پسند فرمائی جس کا رنگ مخفی رہے اور مہک پھیلے اور عورتوں کے لیے وہ جس کا رنگ نمایاں ہو، مہک مخفی رہے۔

رفتار:- حضورؐ کی چال عظمت، وقار، شرافت اور احساسِ ذمہ داری کی ترجمان تھی۔ چلتے تو مضبوطی سے قدم جما کر چلتے۔ ڈھیلے ڈھالے طریق سے قدم گھسیٹ کر نہیں۔ بدن سمٹا ہوا رہتا، دائیں بائیں دیکھے بغیر چلتے، قوت سے آگے کو قدم اٹھاتے، قامت میں آگے کی طرف قدرے جھکاؤ ہوتا، ایسا معلوم ہوتا کہ اونچائی سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ کے الفاظ میں "گویا زمین آپ کی رفتار کے ساتھ ساتھ لپٹتی جا رہی ہے"۔ رفتار تیز ہوتی، قدم کھلے کھلے رکھتے، آپ معمولی رفتار سے چلتے مگر بقولِ حضرت ابوہریرہؓ "ہم مشکل سے ساتھ دے پاتے"۔ حضورؐ کی رفتار یہ پیغام بھی دیتی جاتی تھی کہ "زمین میں گھمنڈ کی چال نہ چلو" (سورۂ لقمان)!

تکلم:- تکلم انسان کے ایمان، علم، کردار اور مرتبے کو پوری طرح بے نقاب کر دیتا ہے۔ موضوعات اور الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ساخت، آواز کا اتار چڑھاؤ، لہجہ کا اسلوب اور بیان کا زور، یہ

ساری چیزیں واضح کرتی ہیں کہ متکلم کس پائے کی شخصیت کا علمبردار ہے۔

حضورؐ کے منصب اور ذمہ داریوں کی نوعیت ایسی تھی کہ ان کا بھاری بوجھ اگر کسی دوسری شخصیت پر ڈالا گیا ہوتا تو وہ تفکرات میں ڈوب کر رہ جاتا اور اسے خلوت محبوب ہو جاتی، لیکن حضورؐ کے کمالات خاص میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ایک طرف آپ تفکرات اور مسائل مہمہ کا پہاڑ اٹھائے ہوئے ہوتے اور طرح طرح کی پریشانیوں سے گزرتے، لیکن دوسری طرف لوگوں میں خوب گھلنا ملنا بھی رہتا اور دن رات گفتگوؤں کا دور چلتا۔ مزاج کی سنجیدگی اپنی جگہ تھی اور تبسم و مزاح اپنی جگہ۔ اضداد میں عجیب توازن تھا جس کی مظہر حضورؐ کی ذات تھی۔ ایک عالمی تحریک کی ذمہ داری، ایک سلطنت کے مسائل، ایک جماعت اور معاشرہ کے معاملات اور پھر اپنے خاصے بڑے کنبے کی ذمہ داریاں اچھا خاصا پہاڑ تھیں جنہیں حضورؐ کے کندھے اٹھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ امام حسنؓ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ وہ " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم متواتر پریشانیوں میں رہتے، ہمیشہ مسائل پر غور کرتے، کبھی آپؐ کو بے فکری کا کوئی لمحہ نہ ملا، دیر دیر تک خاموش رہتے اور بلاضرورت فضول بات چیت نہ کرتے"[1]

لیکن آپؐ ایک داعی تھے اور ایک تحریک کے سربراہ، اس لیے تبلیغ و تعلیم اور تزکیہ اور سیاسی انتظام چلانے کے لیے لوگوں سے رابطہ ضروری تھا جس کے لیے سب سے اہم ذریعہ تکلم ہے۔ لہٰذا دوسری طرف صورتِ حال حضرت زیدؓ بن ثابت کے الفاظ میں یوں رہتی کہ "جب ہم دنیوی معاملات کا ذکر کر رہے ہوتے تو حضورؐ بھی اس ذکر میں حصہ لیتے، جب ہم آخرت پر گفتگو کرتے تو حضورؐ بھی ہمارے ساتھ اسی موضوع پر تکلم فرماتے اور جب ہم لوگ کھانے پینے کی کوئی بات چھیڑتے تو حضورؐ بھی اس میں شامل رہتے"[2] اس کے باوجود آپؐ نے خدا کی قسم کھا کر یہ اصولی حقیقت بیان فرمائی کہ میری زبان سے حق کے ماسوا کوئی بات ادا نہیں ہوتی۔ قرآن نے بھی وما ینطق عن الھوی کی گواہی دی۔

---

[1] شمائل ترمذی باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] شمائل ترمذی باب ماجاء فی خُلقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

گفتگو میں الفاظ اتنے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کر لیتا بلکہ الفاظ ساتھ ساتھ گنے جا سکتے تھے۔ ام معبد نے کیا خوب تعریف بیان کی کہ "گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی" ۔۔۔ الفاظ نہ ضرورت سے کم، نہ زیادہ "۔۔۔ نہ کوتاہ سخن، نہ طویل گو"۔ تاکید، تفہیم اور تسہیل حفظ کے لیے خاص الفاظ اور کلمات کو تین بار دہراتے بھی تھے۔ بعض امور میں تصریح سے بات کرنا مناسب نہ سمجھتے تو کنایہ میں فرماتے۔ مکروہ اور فحش اور غیر حیا دارانہ کلمات سے تنفر تھا۔ گفتگو میں بالعموم ایک مسکراہٹ شامل رہتی۔ عبداللہ بن حارث کا بیان ہے کہ "میں نے حضورؐ سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا"۔ یہ مسکراہٹ حضورؐ کی سنجیدگی کو خشونت بننے سے بچاتی تھی اور رفقا کے لیے وجہِ جاذبیت ہوتی۔ بات کرتے ہوئے بار بار آسمان کی طرف دیکھتے۔ گفتگو کے دوران میں کسی بات پر زور دینے کے لیے ٹیک سے اٹھ کر سیدھے ہو بیٹھتے اور خاص جملوں کو بار بار دہراتے۔ حاضرین کو کسی بات سے ڈراتے تو تکلّم کے ساتھ ساتھ زمین پر ہاتھ مارتے۔ بات کی وضاحت کے لیے ہاتھوں اور انگلیوں کے اشارات (GESTURES) سے بھی مدد لیتے۔ مثلاً دو چیزوں کا اکٹھا ہونا واضح کرنے کے لیے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر دکھاتے کبھی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم دگر آر پار کر کے مضبوطی یا جمعیت کا مفہوم نمایاں کرتے۔ کسی شے یا سمت میں اشارہ کرنا ہوتا تو پورا ہاتھ حرکت میں لاتے۔ کبھی ٹیک لگائے ہوئے اہم معاملات پر بات کرتے تو سیدھے ہاتھ کو اُلٹے ہاتھ کی پشت پر رکھ کر انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔ تعجب کے موقعوں پر ہتھیلی کو الٹ دیتے، کبھی سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی الٹے ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے، کبھی سر ہلاتے اور ہونٹوں کو دانتوں سے دباتے، کبھی ہاتھ کو ران پر مارتے۔

قریشِ مکّہ کے ایک مہذّب خاندان کا یہ ممتاز فرد قبیلہ بنو سعد کی فضاؤں میں عرب کی فصیح ترین زبان سے آراستہ تو تھا ہی، وحی کی لسانِ مبین نے حُسنِ گفتار کو اور بھی صیقل کر دیا تھا۔ حق یہ ہے کہ حضورؐ افصح العرب تھے۔ حضورؐ کے کلام کا جہاں ادبی معیار بہت بلند تھا، وہاں اس میں عام فہم سادگی بھی تھی اور پھر کمال یہ کہ کبھی کوئی گھٹیا اور بازاری لفظ استعمال میں نہیں لیا اور نہ کبھی

مصنوعی طرز کی زبان پسند فرمائی۔ کہنا چاہیے کہ حضورؐ نے اپنی دعوت اور اپنے مشن کی ضروریات سے خود اپنی ایک زبان پیدا کی تھی، ایک اسلوب بنایا تھا۔ چنانچہ حضورؐ کے ایک قول لاالحرب خدعة پر بحث کرتے ہوئے ثعلب کا کہنا تھا کہ "ھی لغۃ النبیؐ" یہ نبیٔ اکرم کی مخصوص زبان تھی۔ بے شمار اصطلاحات بنائیں، تراکیب پیدا کیں، تشبیہیں اور تمثیلیں وضع کیں، خطابت کا نیا انداز نکالا۔ اور بہت سے مروج الفاظ و اسالیب کو متروک کیا۔ ایک مرتبہ بنونہد کے لوگ آئے تو گفتگو رہی جس کے دوران میں آنے والوں نے تعجب سے کہا: "اے اللہ کے نبی ہم آپ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، ایک ہی مقام میں پرورش پائی ہے، پھر یہ کیا بات ہے کہ آپ ایسی عربی میں بات کرتے ہیں کہ جس (کی لطافتوں) کو ہم میں سے اکثر نہیں سمجھ سکتے؟" فرمایا اور خوب فرمایا "ان اللہ عزوجل أدبنی فاحسن ادبی ونشأتُ فی بنی سعد بن بکر" (میری لسانی تربیت خود اللہ عزوجل نے فرمائی ہے اور میرے ذوقِ ادب کو خوشتر بنا دیا۔ نیز میں نے قبیلہ سعد کی فصاحت آموز فضا میں پرورش پائی ہے)۔ ایک موقعے پر کسی ملاقاتی سے بات ہوئی حضرت ابوبکر تعجب سے سن رہے تھے۔ پوچھا اس شخص نے آپ سے کیا کہا اور آپؐ نے کیا فرمایا؟ حضورؐ نے وضاحت کی۔ اس پر جناب صدیق کہنے لگے: "میں عرب میں گھوما پھرا ہوں اور فصحائے عرب کا کلام سنا ہے لیکن آپ سے بڑھ کر کلامِ فصیح کسی اور سے نہیں سنا"۔ یہاں بھی وہی بات حضور فرماتے ہیں: ادبنی ربّی ونشأت فی بنی سعد"۔ اسی طرح حضرت عمر ایک بار کہنے لگے: "اے اللہ کے رسول! کیا بات ہے کہ آپ فصاحت میں ہم سب سے بالاتر ہیں، حالانکہ آپؐ ہم سے کبھی الگ نہیں ہوئے؟" فرمایا: "کانت لغۃ اسمٰعیل، قد درست فجاءنی بھا جبریل فحفظنیھا" (میری زبان اسمٰعیل علیہ السلام کی زبان ہے جسے میں نے خاص طور سے سیکھا ہے، اسے جبریل مجھ تک لائے اور میرے ذہن نشین کر دی[1])۔ مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی زبان معمولی عربی نہ تھی بلکہ خاص پیغمبرانہ زبان تھی جس کا جوڑ اسمٰعیلی زبان سے ملتا تھا اور جبریل

[1] تفاصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المواہب اللدنیہ ج ا ص۲۵۶۔

جس زبان میں قرآن لاتے تھے وہ بھی وہی پیغمبرانہ زبان تھی ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ امر سامنے رہنا چاہیے کہ اکابرِ تاریخ خصوصاً انبیاء جو ایک مشن لے کر ماحول سے کشمکش کرتے ہیں اور ان میں ہر آن سچے جذبات کی موجیں اٹھتی ہیں وہ بات کرتے ہیں تو اس میں مقصد کی عظمت معنوی گہرائی پیدا کرتی ہے، مخلصانہ جذبے اسے ادبی چاشنی دیتے ہیں اور کردار کی بلندی اسے پاکیزہ بناتی ہے۔

—— حضورؐ کی امتیازی شان یہ تھی کہ آپ کو "جوامع الکلم" عطا کیے گئے تھے ۔ خود فرمایا کہ "اُعطیت بجوامع الکلم[1]" جوامع الکلم حضورؐ کے وہ مختصر ترین کلمے ہیں جو معنوی لحاظ سے بڑی وسعت رکھتے ہیں۔ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی پیش کرنے میں سرورِ عالم اپنی مثال آپ تھے اور اسے خصوصی عطیاتِ رب میں شمار کیا۔

یہاں ہم چند مثالیں بیان کریں گے ۔

(۱) "المرء مع من احبّ" آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہو۔

(۲) "اَسلِم تَسلَم" تم اسلام لاؤ تو سلامتی پاؤ گے[2]۔

(۳) "انما الاعمال بالنیات" اعمال نیتوں پر منحصر ہیں۔

(۴) "لیس للعامل من عملہ الا ما نواہ" کسی عمل کرنے والے کو اپنے عمل میں سے بجز اس کے کچھ نہیں ملتا ہے جو کچھ کہ اس نے نیت کی ہے ۔

(۵) "الولد للفراش وللعاھر الحجر" بیٹا اس کا جس کے بستر پر (گھر میں) ولادت پائے اور زانی کے لیے پتھر!

(۶) الحرب خدعۃ" جنگ چالوں سے لڑی جاتی ہے۔

(۷) "لیس الخبرُ کالمُعَاینۃِ" شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔

(۸) "المجالس بالامانۃ" مجالس کے لیے امانت (رازداری) لازم ہے

---

[1] روایت ابوہریرہ (مسلم) [2] نامۂ دعوت بنام ہرقلِ روم۔

(۹) "ترک الشر صدقة" برائی سے باز آنا بھی صدقہ (نیکی) ہے۔

(۱۰) "سید القوم خادمهم" قوم کا سردار وہ ہے جو اس کی خدمت کرے۔

(۱۱) "کل ذی نعمة محسودا" ہر نعمت پانے والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

(۱۲) "الکلمة الطیبة صدقة۔ حسنِ گفتار بھی ایک صدقہ (نیکی) ہے۔

(۱۳) من لا یرحم، لا یُرحم" جو (مخلوق پر، خصوصاً انسانوں پر) رحم نہیں کرتا، اس پر (خدا کی بارگاہ سے) رحم نہ کیا جائے گا۔

ارشاداتِ رسالتمآب بلحاظِ الفاظ، بلحاظِ اسلوب، بلحاظِ روح بالعموم پہچانے جاتے ہیں اور احادیث اور سیرت کے ریکارڈ میں حضورؐ کے جو اجزائے کلام ہیں وہ موتیوں کی سی لمعانی رکھتے ہیں۔ تھوڑے الفاظ ان کا خوش آہنگ کھاؤ، ان میں معنوی گہرائی، دل پر اثر کرنے والی روحِ اخلاص کلامِ نبوی کے امتیازات میں سے ہے۔ مناسب ہو گا کہ دو تین پارہ ہائے فصاحت یہاں درج کیے جائیں۔

★ "میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں، نظامِ اجتماعی کے لیے سمع و طاعت کی تاکید کرتا ہوں — خواہ (اسے چلانے کے لیے) کوئی حبشی غلام ہی (برسرِ قیادت) کیوں نہ ہو۔ کیونکہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت سے اختلافات سے دوچار ہونگے۔ پس (ایسے حالات میں) تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو اختیار کرو، اس کو مضبوطی سے تھامو، اسے دانتوں سے پکڑے رکھو خبردار! دین میں نئے نئے شگوفے چھوڑنے سے پرہیز کرنا کیونکہ ہر نیا شگوفہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے[۱]"

★ عمرو بن عبسہ نے حضورؐ سے کچھ باتیں کیں جن کے بہت ہی مختصر مگر جامع جوابات حضورؐ نے دیئے۔ اس چھوٹے سے مکالمہ کو ملاحظہ کیجیے :-

"اس (دعوت و تحریک کے) کام میں (ابتداءً) کون کون آپ کے ساتھ تھا؟"

"ایک مردِ آزاد (مراد حضرت ابوبکرؓ) اور ایک غلام (مراد حضرت بلالؓ)۔"

[۱] مشکوٰۃ۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

"اسلام (کی اخلاقی حقیقت) کیا ہے؟"

"پاکیزہ گفتار اور بھوکوں کو کھانا کھلانا"

"ایمان (کا جوہر) کیا ہے؟"

"صبر اور سخاوت"

"کیسا اسلام افضل (معیاری) ہے؟"

"اس شخص کا جس کی زبان اور جس کے ہاتھ کی زیادتیوں سے مسلمان محفوظ رہیں"

"کیسا ایمان افضل (معیاری) ہے؟"

"جس کے ساتھ پسندیدہ اخلاق پایا جائے"

"کیسی نماز افضل (معیاری) ہے؟"

"جس میں دیر تک عاجزی سے قیام کیا جائے"

"کیسی ہجرت افضل (معیاری) ہے؟"

"ایسی کہ تم اُن چیزوں سے کنارہ کش ہو جاؤ جو تمہارے پروردگار کو ناپسند ہیں"

"کیسا جہاد افضل (معیاری) ہے؟"

"اس شخص کا جس کا گھوڑا بھی میدان میں مارا جائے اور خود بھی شہادت پائے"

"کونسی گھڑی (عبادت کے لیے) سب سے بڑھ کر ہے؟"

"رات کا پچھلا پہر"[1]

★ ایک بار دریافت کیا گیا کہ انسانوں کو دوزخ تک پہنچانے کے موجبات زیادہ تر کیا ہیں؟ فرمایا: "الفم والفرج"[2] یعنی دہن اور شرمگاہ۔ دہن سے اشارہ ہے کلام اور طعام دو چیزوں کی طرف۔ اور شرمگاہ سے اشارہ ہے جنسی داعیات کی طرف یعنی کلام کا فاسد ہونا، روزی کا ناپاک ہونا اور جنسی جذبات کا بے راہ رو ہونا انسانوں کی عاقبت کو سب سے زیادہ برباد کرنے والا ہے۔

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان [2] روایت ابو ہریرہؓ (ترمذی)

بیشتر جھگڑے اور تصادم اور زیادتیاں اور ظلم بھی انہی خرابیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

★ حضرت علیؓ نے ایک بار سوال کیا کہ آپؐ اپنے مسلک کی وضاحت کریں۔ آپؐ نے مختصراً جس فصیح انداز سے جواب دیا اور اس جواب میں اپنے طرزِ فکر، اپنے کردار اور اپنی روحانیت کی جامع تصویر کھینچ دی وہ بجائے خود انسانی کلام کی تاریخ میں ایک اعجاز ہے۔ ملاحظہ ہو:

" المعرفۃ رأس مالی، والعقلُ اصلُ دینی، والحب اساسی، وَ الشَّوقُ مَرْکَبِی، وَذکرالله انیسی، وَالثِّقَۃُ کَنزِی، وَالحُزْنُ رفیقی، وَ العِلمُ سلاحی، وَالصَّبْرُ رِدائی، وَالرِّضاءُ غنیمتی، وَالعجزُ فخری، وَالزُّھدُ حِرفَتی، وَالیَقِینُ قُوَّتی، وَالصِّدقُ شفیعی، وَالطَّاعۃُ حَسْبی، وَالجِھادُ خُلقی وَقُرَّۃُ عَینی فِی الصَّلوٰۃ[1]"

ترجمہ: عرفان میرا سرمایہ ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکرِ الٰہی میرا مونس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، حُزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، خدا کی رضا میری غنیمت ہے، عاجزی میرے لیے وجہِ اعزاز ہے، زُہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے (لفظ قوت ہو تو غذا ہے) صدق میرا سفارشی ہے، طاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا کردار ہے ـــ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"

★ حسنِ تمثیل کی بے شمار زریں مثالیں آپؐ کے کلام میں محفوظ ہیں جن کی مدد سے بڑے بڑے حقائق آپؐ نے بدوؤں کے ذہن نشین کرا دیئے۔ ان میں یہاں ایک ہی کو لیجیے۔

• مجھے خدا نے ہدایت اور علم کا جو کچھ سرمایہ دے کر اٹھایا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ زمین پر موسلا دھار بارش ہو۔ پھر اس زمین کا جو ٹکڑا بہت ہی زرخیز ہے اس نے پانی کو پوری طرح جذب کیا اور مرجھایا ہوا سبزہ اس سے تروتازہ ہو گیا اور نئی بوٹیاں

---

[1] ملاحظہ ہو: روایت حضرت علی مندرجہ "الشفا" از قاضی عیاض

کثرت سے اُگ آئیں۔ پھر زمین کا کچھ سخت حصہ ایسا بھی تھا جس نے پانی کو اپنے اندر جمع کر رکھا اور اللہ نے اسے لوگوں کے لیے مفید بنایا، انھوں نے اس کو پیا پلایا اور کھیتیوں کو اس سے سیراب کیا۔ پھر یہ پانی ایک اور قطعہ پر برسا جو چٹیل میدان تھا اور نہ اس نے پانی جمع کر کے رکھا، نہ جذب کر کے روئیدگی دکھائی۔ پس اس میں ایک مثال تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے علم دین میں سوجھ بوجھ پیدا کی اور جو کچھ ہدایت مجھے دے کر اللہ نے اٹھایا ہے اس سے اسے فائدہ پہنچا، اس نے خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا۔ دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اس دعوت کو سن کر سر نہیں اٹھایا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جو میرے ذریعے بھیجی گئی ہے۔"

—— آپؐ کے اندازِ گفتگو کا کوئی عنوان باندھا جا سکتا ہے تو قرآن کے اس جملے کو کہ "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ لوگوں کو حُسنِ تکلّم سے خطاب کرو۔ آپؐ کا حُسنِ کلام سادگی کی شان لیے ہوئے تھا۔ بناوٹی کلام سے آپ کو بُعد تھا۔ فرمایا:

"اَبْعَدُکُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْہِقُوْنَ" — تم میں سے قیامت کے روز وہ لوگ مجھ سے انتہائی دوری پر ہوں گے جو بڑے بول بولنے والے باتونی اور گھمنڈ جتانے والے ہیں۔

اسی طرح آپ کو سنجیدگی اور پاکیزگی کی حدود سے نکل کر فحش کے دائرے میں داخل ہونے والی گفتگو سخت ناپسند تھی —— حضورؐ کے چمن نازِ تکلّم میں ہمیشہ تبسّم کی شبنم لمعانی دکھاتی تھی۔ سب سے بڑھ کر خندہ روئی سے آپؐ ہی کا چہرہ آراستہ رہتا تھا، باوجودیکہ ذمہ داریوں اور مشکلات و مصائب اور حزن کی پریشانیوں کے خارزار درپیش تھے۔ (باقی)

اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی حِلّت و حُرمت

ہمارے ملک سے جو لوگ تعلیم یا تجارت یا دوسری اغراض کے لیے یورپ اور امریکہ جاتے ہیں ان کو بالعموم اس مسئلے سے سابقہ پیش آتا ہے کہ وہاں اسلامی نقطۂ نظر سے حلال غذا مشکل میسر آتی ہے۔ کچھ لوگ تو حلال و حرام کی حِس ہی نہیں رکھتے اس لیے وہ بلا تکلف ہر طرح کا کھانا وہاں کھا لیتے ہیں۔ کچھ اور لوگ کھانے پینے کی مشکلات سے تنگ آکر وہی سب کچھ کھانے لگتے ہیں جو وہاں ملتا ہے مگر دل میں یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ یہ حرام غذا ہے جو ہم کھا رہے ہیں۔ البتہ ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو حلال کی پابندی اور حرام سے پرہیز کرنا چاہتے ہیں انہی کی طرف سے اکثر یہ سوالات آتے رہتے ہیں کہ ان ممالک میں غذا کی حرمت و حلّت کے حدود کیا ہیں اور ہم کیا کھائیں اور کن چیزوں سے پرہیز کریں۔ اس سے پہلے میرے پاس اس سلسلے میں جو سوالات وقتاً فوقتاً آتے ہیں ان کے مختصر جوابات نجی طور پر اور ان صفحات میں بھی دیئے جاتے رہے ہیں۔ لیکن اب اس مسئلے نے ایک دوسرا رُخ اختیار کیا ہے۔ بعض دوسرے مسلمان ملکوں سے جو لوگ مغربی ممالک میں جاتے ہیں، ہمارے ہاں کے نوجوان ان کو بے تکلف وہ گوشت کھاتے دیکھتے ہیں جو خدا کا نام لیے بغیر مشینوں سے کٹ کر آتا ہے۔ اس پر ان کے درمیان بحثیں چھڑ جاتی ہیں اور وہ دلیل میں اپنے علماء کے فتوے پیش کر دیتے ہیں جنھوں نے اس گوشت کو حلال قرار دیا ہے۔ اس کی ایک تازہ نظیر مندرجۂ ذیل خط ہے جو ایک پاکستانی نوجوان کی طرف سے حال میں میرے نام آیا ہے۔ یہ خط اور علمائے عراق کے وہ فتوے جن کی نقل مراسلہ نگار نے ارسال کی ہے، دیکھنے کے بعد شدت کے ساتھ یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس مسئلے کی پوری علمی تحقیق شائع کر دی جائے تاکہ ہمارے ہاں کے لوگ ان بحثوں سے متاثر ہو کر کوئی غلط روش نہ اختیار کر بیٹھیں، اور اگر ممکن ہو تو خود بیرونی مسلم ممالک کے لوگوں کی بھی اصلاحِ خیال ہو سکے۔

پاکستانی نوجوان کا خط یہ پاکستانی نوجوان، جو آج کل لندن میں زیر تعلیم ہیں، لکھتے ہیں:

"گوشت کا مسئلہ میرے اور مشرقِ وسطیٰ کے طلبہ کے مابین بہت باعثِ نزاع ہے اس پر بہت بحثیں ہو چکی ہیں۔ رسائل و مسائل میں آپ نے جو دلائل بیان کیے ہیں وہ ان کے سامنے مختلف طریقوں سے بار بار پیش کر چکا ہوں۔ لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اب دو اسلام پسند دوستوں نے عراق سے دو فتوے منگوائے ہیں۔ انہیں اصرار ہے کہ آپ تک پہنچاؤں اور آپ ان میں دیئے ہوئے دلائل کو شق وار رد کریں۔ لہٰذا دونوں کی نقول منسلک ہیں۔ ان کو آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

گوشت کے سلسلے میں ایک چیز جس کا علم مجھے نہیں ہے وہ یہ ہے کہ کیا حلال کرنے کی کوئی متعین صورت قرآن یا حدیث میں دی گئی ہے؟ یا اللہ کا نام لیکر مشین سے ذبح کیا جا سکتا ہے؟

چونکہ مختلف مغربی ممالک میں ذبح کرنے کے مختلف طریقے رائج ہیں لہٰذا جب تک ہر طریقے کی تفصیل نہ معلوم ہو اس وقت تک ان کے ہر ذبیحے کو مردار کہنا بہت مشکل ہے۔ اس بنا پر میں مردار کو وجہِ حرام بنا کر گفتگو نہیں کرتا بلکہ ان دو آیات کو مرکز گفتگو بناتا ہوں جن میں اللہ کا نام نہ لیے ہوئے گوشت سے منع کیا گیا ہے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کو حرام کیا گیا ہے۔"

اس کے ساتھ علمائے عراق کے جو فتوے انہوں نے بھیجے ہیں ان کا لفظ بلفظ ترجمہ حسب ذیل ہے:

فتویٰ نمبر ۱ ذبیحہ اہلِ کتاب کے بارے میں آپ کے استفسار کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے — جس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔ مسلمانوں کے لیے اہلِ کتاب کا کھانا حلال کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ "اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے" بلکہ یہ فرمایا ہے کہ "اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے" (وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ)۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے پادری اور اہلِ دین جو کھانا بھی کھاتے ہیں، بجز لحمِ خنزیر، وہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے ذبیحہ پر یہ شرط عائد نہیں کی گئی کہ اُس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا وہ اہلِ اسلام کے طریقے پر ذبح کیا گیا ہو۔

سورۂ المائدہ (رکوع : ۱) میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دین کو مکمل کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ اس سلسلے میں لطیف بات یہ ہے کہ جس آیت میں طعامِ اہلِ کتاب کی اباحت کا حکم دیا گیا ہے وہ مذکورہ تکمیلِ دین والی آیت سے صرف چند سطوں کے فاصلہ پر وارد ہے۔ جس کا قریبی تعلق یہ بتاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا دین مکمل اور دائمی ہے اور اس کے دوسرے احکام ابدی اور ناقابلِ تنسیخ و تغیر ہیں اسی طرح طعام اہلِ کتاب کی حلّت کا حکم بھی اٹل ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے کسی خاص زمانے کے ساتھ وابستہ نہیں رکھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حکم نازل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آئندہ چل کر اہلِ کتاب کے ہاں جانوروں کو سر میں میخ مار کر ذبح کرنے کا طریقہ جاری ہو گا۔ علاوہ ازیں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل موجود ہے کہ ایک بار ایک یہودی عورت نے آپؐ کو زہر آلود بکری دعوت میں پیش کی۔ اور آپؐ نے یہ دریافت کیے بغیر اسے تناول فرما لیا کہ اس بکری کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں یا اس کے ذبح کرنے میں کونسا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جس چیز کو حلال ٹھہرا دیا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دے دیا ہے وہ حرام ہے اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے، جس کی ذات نسیان سے پاک ہے، محض اپنی رحمت سے سکوت فرمایا ہے تم اس کے متعلق کرید مت کرو"۔ نیز آپؐ نے فرمایا: جس چیز کی صراحت میں نے تم سے نہیں کی اُس کے بارے میں تم مجھ سے نہ پوچھو۔ کیونکہ تم سے پہلے لوگ بھی انبیاء سے بکثرت سوالات کرنے اور اختلافات کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ پس جب میں کسی چیز سے تمہیں روک دوں تم اس سے رک جاؤ اور جب کسی کام کا حکم دوں تو اسے جہاں تک کر سکتے ہو کرو۔

امام ابن العربی المعافری نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ اگر عیسائی مرغی کی گردن تلوار سے اُڑا دیتا ہے تو مسلمان کے لیے اُس کا کھالینا جائز ہے۔ یہی حکم ان بند ڈبوں کے گوشت کے بارے میں اختیار کیا جائے جنہیں یہودی اور عیسائی تیار کرتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے بارے میں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ ان کے جن افراد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوت کی حجت تمام ہو چکی ہے وہ اگر خدا کا ذکر بھی کریں تو ان کا ذکر اللہ اس وقت تک اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوگا جب تک وہ اسلام نہ قبول کرلیں۔ اس لیے ذبح کرتے وقت ایسے افراد کا اللہ کا نام لینا یا نہ لینا یکساں ہے۔ البتہ جن تک دعوت نہیں پہنچی اور حجت قائم نہیں ہوئی وہ اپنے پہلے دین پر قائم ہیں اور وہ صحیح ہے۔

جس جانور کو مشرک ذبح کرے، جو یہودی یا عیسائی نہیں ہے، تو اُس نے بوقت ذبح خواہ ہزار مرتبہ بھی اللہ کا نام لیا ہو اُس کا کھانا حلال نہیں ہے۔ اس کے برعکس مسلمان کا وہ ذبیحہ جس پر اللہ کا نام لینا اُسے یاد نہ رہا ہو حلال ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ ہر مومن کے دل میں اللہ کا ذکر ہر حالت میں موجود ہے۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے گوشت کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اہلِ بادیہ شہر لے کر آتے تھے اور جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ انہوں نے جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اذکروا اسم اللہ علیہا انتم وکلوھا (تم خود اللہ کا نام لے لو اور اُسے کھا لو) اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ سے رومی پنیر کے بارے دریافت کیا گیا اور آپؐ کو بتایا گیا کہ اس پنیر کو اہلِ روم خنزیر کے بچوں کے چھتے سے بناتے ہیں۔ آپؐ نے جواب میں صرف اتنا فرمایا کہ "انی لا احرم حلالا (میں ایک حلال چیز کو حرام نہیں کرسکتا) اور مزید سائل کی بات کی طرف دھیان نہ دیا۔[1]

---

[1] اس روایت کے ماخذ کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے اس لیے اس کی تحقیق نہیں کی جاسکتی۔ ابو داؤد کتاب الاطعمہ میں جو روایت آئی ہے اس میں صرف اتنا ذکر ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضورؐ کے لیے پنیر لایا گیا اور آپ نے چھری منگا کر اللہ کا نام لیا اور اسے کاٹ کر نوش فرمایا۔ خطابی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ پنیر چُھتنے سے جمایا جاتا تھا (یعنی جانور کے دودھ پیتے بچے کو کاٹ کر اس کا معدہ نکال لیا جاتا اور اس کے ذریعے

اس موضوع پر فقہاء نے جو قواعد مستنبط کیے ہیں اُن میں سے ایک قاعدہ یہ ہے کہ ان الطعام لایُطرح بالشك (محض شک کی بنا پر طعام کو رد نہیں کیا جائے گا)۔ نیز یہ قاعدہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دین اللہ یسر فیسّروا ولاتعسّروا ولاتنفّروا (اللہ کے دین میں آسانی ہے تم اسے آسان ہی رکھو سخت نہ بناؤ اور لوگوں کو اس سے متنفر نہ کرو)۔

فتویٰ نمبر ۲ | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَات، وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ . . . " یہ حکم اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اہلِ کتاب کا طعام، جس میں ان کا ذبیحہ اور غیر ذبیحہ سب شامل ہے، مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔ اہلِ کتاب ذبیحہ پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں یہ اللہ کے علم میں ہے۔ ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا حلال قرار دیا ہے خواہ وہ تسمیہ کے ساتھ ہو یا بغیر تسمیہ کے۔ شیخ زادہؒ تفسیر سورۂ انعام میں صفحہ ۲۰۴ پر لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا قول" وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ۔ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ۔ ایسا کرنا فسق ہے)۔ بظاہر ان تمام اشیاء کی تحریم پر دلالت کرتا ہے جن پر اللہ کا نام لینا عمداً یا نسیاناً ترک ہو گیا ہو۔ داؤد ظاہری کا یہی مذہب ہے

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵) پنیر بنانے کے لیے دودھ جمایا جاتا تھا) اور یہ صنعت کفّار اور مسلمانوں کی مشترکہ تھی۔ ابوداؤد نے یہ روایت اس غرض کے لیے نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مباح سمجھا کیونکہ بظاہر اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔" (مختصر سنن ابی داؤد، مرتبہ حامد الفقی، جزء خامس ص ۳۲۵) مسند احمد میں ایک روایت ابن عباس سے آئی ہے کہ ایک لڑائی میں حضورؐ کے پاس پنیر کا ایک ٹکڑا لایا گیا آپ نے پوچھا کہاں کا بنا ہوا ہے؟ عرض کیا گیا کہ ایران کا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ یہ مردار سے بنتا ہے (یعنی ایسے جانور کے چھتنے سے جس کو غیر اہل الذبح یعنی مجوسی ذبح کرتے ہیں)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اللہ کا نام لے کر اسے کاٹو اور کھالو۔ لیکن اس حصے کو ابن عباس کے شاگرد عکرمہ کے حوالہ سے روایت کرنے والا شخص مشہور کذّاب جابر جعفی ہے اس لیے یہ قابلِ قبول روایت نہیں ہے۔ عکرمہ ہی کی دوسری روایت جو ابوداؤد طیالسی نے عمرو بن ابی عمرو کے واسطے سے نقل کی ہے اس میں مردار کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف طعام یُصنع بارض العجم کا ذکر ہے۔ (مسند ابوداؤد طیالسی حدیث نمبر ۲۶۸۴)۔ اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ یہ روایت جس میں پنیر جمانے کے لیے بچہ خنزیر کے چھتنے کا استعمال جائز قرار دیا گیا ہے کس کتاب میں کس سند وارد ہوئی ہے۔ ا۔م

امام احمدؒ سے بھی اسی طرح کا مسلک مروی ہے۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ ذبیحۂ مسلم کو ہر صورت میں حلال قرار دیتے ہیں خواہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ۔ ان کا استدلال حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر مبنی ہے کہ "ذبیحۃ المسلم حلال وان لم یذکر اسم اللہ علیہا"۔ امام ابوحنیفہ نے عمداً تسمیہ کرنے اور نسیاناً تسمیہ ترک ہو جانے میں فرق کیا ہے۔

جس طعام پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو علماء نے اسے فسق قرار دیا ہے (جیسا کہ قرآن میں آتا ہے اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ) علماء کی یہ تاویل اس صورت میں ہے جب کہ اِنَّهٗ لَفِسْقٌ کی ضمیر مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ میں کلمہ مَا کی جانب راجع ہو۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ضمیر کا مرجع وَلَا تَاْكُلُوْا میں مصدر اکل کو بنا لیا جائے۔ (اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جس طعام پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو اس کا کھانا فسق ہے)"۔

اس کے بعد شیخ زادہؒ اس مجمل کلام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ رائے کہ آیت "وَلَا تَاْكُلُوْا ... الخ ان تمام اشیاء کی تحریم پر دلالت کرتی ہے جن پر اللہ کا نام قصداً یا نسیاناً متروک ہو گیا ہو اس وجہ سے ہے کہ آیت عمومی مفہوم رکھتی ہے اور کھانے پینے کی تمام اشیاء کو شامل ہے۔ چنانچہ عطاءؒ نے اسی عمومی مفہوم کو لیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر وہ چیز حرام ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ خواہ وہ ماکولات میں سے ہو یا مشروبات میں سے لیکن جمہور فقہاء کا اجماع ہے کہ آیت کا اطلاق صرف اس جانور پر ہے جس کی جان اللہ کا نام لیے بغیر زائل ہو گئی ہو۔ ایسے جانور کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں (۱) اُسے ذبح نہ کیا گیا ہو بلکہ کسی دوسرے طریقے سے اُس کی موت واقع ہوئی ہو۔ (۲) اُسے ذبح کیا گیا ہو لیکن غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو (۳) یا اُس پر اللہ یا غیر اللہ، کسی کا نام نہ لیا گیا ہو۔ پہلی دونوں شکلوں میں بلا اختلاف اُس کا گوشت حرام ہے۔ تیسری قسم مختلف فیہ ہے اور اس میں تین قول ملتے ہیں۔

(۱) وہ مطلق حرام ہے جیسا کہ آیت وَلَا تَاْكُلُوْا..الخ کے عموم سے واضح ہوتا ہے جو تینوں شکلوں کو شامل ہے۔۔

(۲) مطلق حلال ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ ان کے نزدیک متروک التسمیہ ذبیحہ ہر صورت میں حلال ہے۔ تسمیہ کا ترک خواہ عمداً ہوا ہو یا نسیاناً، بشرطیکہ اسے اہل الذبح نے ذبح کیا ہو۔ امام موصوف، آیت کے عموم کو "المیتۃ" اور "اُھلّ لغیر اللہ بہ" والی آیات کے ساتھ خصوص میں تبدیل کر کے اس کی دلالت کو صرف اول الذکر دو شکلوں تک محدود کرتے ہیں۔ تیسری شکل کے جواز میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہر مومن کے دل میں ہر حالت میں اللہ کا ذکر موجود ہے۔ اس پر عدم ذکر کی کبھی حالت طاری نہیں ہوتی۔ اس لیے اُس کا ذبیحہ بھی ہر صورت میں حلال ہے۔ اس کی حلت اس وقت حرمت میں تبدیل ہوگی جب کہ ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذبیحہ بغیر تسمیہ کو فسق فرمایا ہے۔ بہرحال اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ جس جانور کو مسلمان نے ذبح کیا ہو اور اس پر ذکر اللہ ترک کر دیا ہو اُس کا گوشت کھانا فسق کے حکم میں نہیں ہے۔ کیونکہ آدمی کسی اجتہادی حکم کی خلاف ورزی سے فسق کا مرتکب نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ "مما لم یذکر اسم اللہ" کا اطلاق صرف پہلی دونوں شکلوں پر ہوگا۔ اس کی تائید اگلی آیت "وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ" (شیاطین اپنے ساتھیوں کے دلوں میں اعتراضات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں) سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اولیاء الشیاطین کا مجادلہ صرف دو مسئلوں پر تھا۔ پہلا مردار کے مسئلہ پر تھا۔ جس کے بارے میں وہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ "جسے باز اور کتا مارے اُسے تم کھا لیتے ہو اور جسے اللہ مارے اُسے نہیں کھاتے ہو"۔ اور دوسرا جھگڑا غیر اللہ — یعنی بتوں وغیرہ — کے نام پر ذبح کرنے کے بارے میں کرتے تھے۔ اور مسلمانوں سے کہتے تھے "تمہارا بھی خدا ہے اور ہمارے بھی خدا ہیں۔ تم اپنے خدا کے نام پر جو ذبح کرتے ہو ہم اُسے کھا لیتے ہیں لیکن جسے ہم اپنے خداؤں کے نام پر ذبح کرتے ہیں تم اُسے کیوں نہیں کھاتے ہو"۔ چونکہ انہی دونوں مسئلوں پر ان کا مجادلہ تھا اس لیے وَلَا تَأْكُلُوا کی نہی انہی دونوں صورتوں کے لیے مخصوص ہے۔ نیز آیت کے اختتام میں اللہ کا ارشاد ہے وان اطعتموھم انکم لمشرکون (اگر تم نے ان کی اطاعت قبول کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو گئے)۔ اس ارشاد کی رُو سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ اطاعتِ کفار و

مشرکین متروک التسمیہ طعام کے کھا لینے سے نہیں ہوگی بلکہ مردار کو مباح ٹھہرانے اور بتوں پر جانوروں کی قربانی دینے اور ذبح کرنے سے ہوگی۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ اگر ذبح کرنے والے نے اللہ کا نام عمداً ترک کیا ہے تو اس کا ذبیحہ حرام ہے اور اگر اس سے سہواً ترک ہوا ہے تو ذبیحہ حلال ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ آیت وَلَا تَاْکُلُوا میں تینوں شکلیں داخل ہیں اور تینوں کی حرمت ثابت ہوتی ہے لیکن سہواً متروک التسمیہ ذبیحہ اس آیت کے حکم سے دو وجوہ کی بنا پر خارج ہے۔ اولاً اس لیے کہ "اِنَّهٗ لَفِسْقٌ" کی ضمیر "لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ" کی جانب راجع ہے کیونکہ یہ قریب ہے اور ضمیر کو قریبی مرجع کی جانب لوٹانا اولیٰ ہے۔ پس بلاشبہ تسمیہ کو قصداً نظر انداز کرنے والا فاسق ہے۔ لیکن جو سہو کا شکار ہو گیا ہو وہ غیر مکلف ہے اور خارج از حکم ہے۔ اس لیے آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جس جانور پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا گوشت نہ کھاؤ اور ناسی خود بخود حکم سے مستثنیٰ قرار پائے گا۔ دوسری دلیل امام صاحب یہ دیتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ اگر جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "اس کا گوشت کھا لو۔ اللہ کا نام ہر مومن کے دل میں موجود ہے۔"

"اُوْتُوا الْکِتٰبَ" میں یہود اور نصاریٰ دونوں شامل ہیں۔ اس لیے بحکم آیت وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یہود و نصاریٰ کے ذبائح ہمارے لیے حلال ہیں خواہ انہوں نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "اگر نصاریٰ مسیح کے نام پر جانور ذبح کریں تو اس کا گوشت کھانا ہمارے لیے حلال نہیں ہے" لیکن علماء کی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ مسیح کے نام پر بھی ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے[1]۔ ایک بار امام شعبی اور عطاء سے دریافت کیا گیا کہ اگر نصاریٰ مسیح کے

---

[1] یہ بات خلاف واقعہ ہے۔ مسیح کے نام پر کسی جانور کا ذبح کیا جانا صریح طور پر ما اھل لغیر اللہ بہ کی تعریف میں آتا ہے۔ اس کے حلال ہونے پر علماء کی اکثریت کیسے متفق ہو سکتی ہے۔ الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول میں اس کے متعلق مذاہب اربعہ کا جو مسلک نقل کیا گیا ہے وہ یہ ہے: حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر اہل کتاب میں سے

نام پر ذبح کریں تو کیا اُس جانور کا گوشت مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔ تو ان دونوں نے جواب دیا کہ نصاریٰ کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے ذبائح کو ہمارے لیے جب حلال کیا ہے تو اس کے علم میں تھا کہ نصاریٰ بوقت ذبح کس کا نام لیں گے۔"

تحقیقِ مسئلہ

علمائے عراق کے یہ دونوں فتوے کوئی نئی چیز نہیں ہیں۔ ان سے پہلے فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف صاحب، اور ان سے بھی پہلے مفتی محمد عبدہ اور علامہ رشید رضا تسمیہ اور تذکیہ کے بغیر نصاریٰ کے ذبیحوں کو حلال قرار دے چکے ہیں۔ اس معاملہ میں ان سب حضرات کے دلائل قریب قریب یکساں ہیں لیکن قبل اس کے کہ ہم ان دلائل پر کوئی بحث کریں، ہمیں دیکھنا چاہیے کہ یہ مسئلہ بجائے خود کیا ہے۔

حیوانی غذاؤں کے متعلق قرآن کی عائد کردہ قیود | قرآن مجید میں گوشت کے استعمال پر جو حدود و قیود عائد کی گئی ہیں، اور پھر احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جو تشریحات فرمائی ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:

وہ اشیاء جن کا کھانا حرام ہے | اوّلین قید جسے قرآن میں چار جگہ صاف صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ مردار، خون، سؤر کا گوشت، اور وہ جانور جسے اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، حرام ہے۔ یہ حکم مکّی سورتوں میں سے سورۂ انعام (آیت ۱۴۵) اور سورۂ نحل (آیت ۱۱۵) میں وارد ہوا ہے اور مدنی سورتوں میں سے سورۂ بقرہ (آیت ۱۷۳) اور سورۂ مائدہ (آیت ۳) میں اس کا اعادہ کیا گیا ہے۔

سورۂ مائدہ، جو آخری احکامی سورہ ہے، اس پر دو باتوں کا مزید اضافہ کرتی ہے۔ اوّل یہ کہ

۲۔ کوئی شخص ذبح کے وقت مسیح کا نام لے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے (ص ۲۶)۔ مالکیہ اہلِ کتاب کے ذبیحہ کی حلت کے لیے یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس پر غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو (ص ۲۷)۔ شافعیہ مسلمان کے ذبیحہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور ذبح کرتے ہوئے اللہ کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے اور اس سے اس کی نیت شرک کی ہو تو اس کا ذبیحہ حرام ہو جائیگا (ص ۲۹)۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ نصرانی اگر ذبح کے وقت مسیح کا نام لے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے (ص ۳۲)۔ سوال یہ ہے کہ جب مذاہبِ اربعہ اس کی حرمت پر متفق ہیں تو وہ کن علماء کی اکثریت ہے جو اسے حلال قرار دیتی ہے۔ ایم

صرف وہی مردار حرام نہیں ہے جو طبعی موت مرا ہو، بلکہ وہ جانور بھی حرام ہے جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ لگ کر، یا بلندی سے گر کر، یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو۔ دوم یہ کہ جو جانور مشرکین کی قربان گاہوں پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرمت کے حکم میں مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کے ساتھ شریک ہے۔ خواہ اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حرام اشیاء میں گدھے اور کچلیوں والے درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کو بھی شامل فرمایا ہے جیسا کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو نیل الاوطار کتاب الاطعمہ والصید والذبائح)

ذبح کے لیے تذکیہ کی شرط: دوسری قید قرآن مجید یہ بیان کرتا ہے کہ صرف وہی جانور حلال ہے جس کا تذکیہ کیا گیا ہو۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ	حرام کیا گیا تم پر مرا ہوا جانور ..... اور گلا گھوٹا ہوا
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ	اور چوٹ کھایا ہوا اور گرا ہوا اور ٹکر کھایا ہوا اور
وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا	جس کو درندے نے پھاڑا ہو، بجز اس کے جس کا تم
ذَكَّيْتُمْ (آیت ۳)	نے تذکیہ کیا ہو۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس جانور کی موت تذکیہ سے واقع ہو صرف وہی حرمت کے حکم سے مستثنیٰ ہے، باقی تمام وہ صورتیں جن میں تذکیہ کے بغیر موت واقع ہو جائے، حرمت کا حکم ان سب پر جاری ہو گا۔ تذکیہ کے مفہوم کی کوئی تشریح قرآن میں نہیں کی گئی ہے اور نہ لغت اس کی صورت متعین کرنے میں کچھ زیادہ مدد کرتی ہے۔ اس لیے لامحالہ اس کے معنی متعین کرنے کے لیے ہم کو سنّت کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ سنّت میں اس کی دو شکلیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک شکل یہ ہے کہ جانور ہمارے قابو میں نہیں ہے، مثلاً جنگلی جانور ہے جو بھاگ رہا ہے یا اڑ رہا ہے۔ یا وہ ہمارے قابو میں تو ہے مگر کسی وجہ سے ہم اس کو باقاعدہ ذبح کرنے کا موقع نہیں پاتے۔ اس صورت میں جانور کا تذکیہ یہ ہے کہ ہم کسی تیز چیز سے اس کے جسم کو اس طرح زخمی کر دیں کہ خون بہ جائے اور

جانور کی موت ہمارے پیدا کردہ زخم کی وجہ سے خون بہنے کی بدولت واقع ہو۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت کا حکم ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں امرر الدم بما شئت "جس چیز سے چاہو خون بہا دو" (ابو داؤد۔ نسائی)۔

دوسری شکل یہ ہے کہ جانور ہمارے قابو میں ہے اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ذبح کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں باقاعدہ تذکیہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس کا طریقہ سنت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اونٹ اور اس کے مانند جانور کو نحر کیا جائے اور گائے، بکری یا اس کے مانند حیوانوں کو ذبح۔ نحر سے مراد یہ ہے کہ جانور کے حلقوم میں نیزے جیسی تیز چیز زور سے چبھوئی جائے تاکہ اس سے خون کا فوارہ چھوٹے اور خون بہہ کر جانور بالآخر بے دم ہو کر گر جائے۔ اونٹ ذبح کرنے کا یہ طریقہ عرب میں معروف تھا۔ قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) اور سنت نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طریقہ سے اونٹ ذبح کیا کرتے تھے۔ رہا ذبح تو اس کے متعلق احادیث میں حسب ذیل احکام وارد ہوئے ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدیل بن ورقاء الخزاعی علی جمل اورق فی فجاج منیٰ الا ان الذکاۃ فی الحلق واللبۃ، ولا تعجلوا الانفس ان تزھق (دارقطنی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر بدیل بن ورقاء خزاعی کو ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر بھیجا تاکہ منیٰ کے پہاڑی راستوں پر یہ اعلان کر دیں کہ ذبح کی جگہ حلق اور لبہ کے درمیان ہے اور ذبیحہ کی جان جلدی سے نہ نکال دو۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الذبیحۃ ان تفرس (طبرانی)

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ذبح کرتے ہوئے آدمی نخاع[1] تک کاٹ ڈالے۔

اسی مضمون کی روایت امام محمد نے سعید بن المسیب سے بھی مرسلاً روایت کی ہے جس کے الفاظ

[1] یعنی گردن کے اوپر سے نہیں کہ پہلے نخاع کٹ جائے بلکہ اندرونی حصہ سے جہاں نرخرہ واقع ہے۔

ہیں ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی ان تنخع الشاۃ اذا ذبحت۔ ان احادیث کی بنا پر اور عہد نبوی و عہد صحابہ کے معمول بہ عمل کی شہادتوں پر حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ذبح کے لیے حلقوم اور مری (غذا کی نالی) کو اور مالکیہ کے نزدیک حلقوم اور ودجین (گردن کی رگیں) کو کاٹنا چاہیے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ ج ۱۔ ص ۷۲۵ تا ۷۳۰)

اضطراری اور اختیاری ذکات کی یہ تینوں صورتیں جو قرآن کے حکم کی تشریح کرتے ہوئے سنت میں بتائی گئی ہیں، اس امر میں مشترک ہیں کہ ان میں جانور کی موت بکلخت واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے دماغ اور جسم کا تعلق آخری سانس تک باقی رہتا ہے، تڑپنے اور پھڑپھڑانے سے اس کے ہر حصۂ جسم کا خون کھنچ کر باہر آجاتا ہے، اور صرف سیلانِ خون ہی اس کی موت کا موجب ہوتا ہے۔ اب چونکہ قرآن نے اپنے حکم کی خود کوئی تشریح نہیں کی ہے، اور صاحب قرآن سے اس کی یہی تشریح ثابت ہے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ سے یہی ذکات مراد ہے اور جس جانور کو یہ شرط ذکات پوری کیے بغیر ہلاک کیا گیا ہو وہ حلال نہیں ہے۔

ان صورتوں کے علاوہ قرآن مجید میں تذکیہ کی ایک اور شکل بھی بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی جانور کو سدھائے ہوئے شکاری درندے نے مارا ہو، بشرطیکہ یہ سدھایا ہوا درندہ اپنے مالک کے لیے شکار کو روک رکھے۔ اس صورت میں اگر جانور درندے کے پھاڑنے سے مر بھی جائے تو وہ مذکّٰی شمار ہوگا:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ (المائدہ۔ آیت ۴)	اور جن شکاری جانوروں کو تم سدھاتے ہو جنہیں تم شکار کی وہ تعلیم دیتے ہو جو خدا نے تمہیں سکھائی ہے، وہ جس جانور کو تمہارے لیے روک رکھیں اس کا گوشت کھاؤ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم کی یہ تشریح فرماتے ہیں:

فان امسك عليك فادركته حيًا	اگر وہ جانور کو تیرے لیے روک کر رکھے اور تو

فاذبحه وان ادركته قد قتل ولم ياكل منه فكله وان اكل فلا تاكل (بخاری، مسلم)

اسے زندہ پائے تو ذبح کر اور اگر جانور تجھے اس حالت میں ملے کہ تیرے کتے نے اسے ہلاک کر دیا ہو لیکن اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو تو اسے کھا لے۔ لیکن اگر کتے نے کھایا ہو تو پھر اسے نہ کھا۔

وان اكل منه فلا تاكل فانما امسك على نفسه (بخاری، مسلم، احمد)

اگر کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو تو اس جانور کو نہ کھا، کیونکہ اس نے وہ شکار اپنے لیے پکڑا تھا۔

وَمَا صدت بكلبك غير معلّم فادركت ذكاته فكل (بخاری، مسلم)

اور جو شکار تو نے بے سدھے کتے سے کیا ہو اسے اگر زندہ پا کر تو نے ذبح کر لیا ہو تو اسے کھا لے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سدھائے ہوئے شکاری درندے کا کسی جانور کو مالک کے لیے مارنا قرآن کی رو سے شرطِ ذکات پوری کر دیتا ہے اس لیے وہ مَا اَكَلَ السَّبُعُ کی حرمت سے خارج ہو کر اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کے حکم استثناء میں آ جاتا ہے لیکن قرآن یہ حکم صرف سدھائے ہوئے شکاری درندے ہی کے لیے بیان کرتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے اُس درندے کو بھی خارج کر دیتے ہیں جو پالا ہوا ہو مگر شکار کے لیے سدھا ہوا نہ ہو، لہٰذا اس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کر کے اس کے چیرے پھاڑے ہوئے جانور کے جواز کا پہلو نہیں نکالا جا سکتا۔ حدیث کے یہ الفاظ کہ بے سدھے کتے کا مارا ہوا شکار اگر تو نے زندہ پا کر ذبح کر لیا ہو تو اسے کھا لے، اس امر کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ تذکیہ کے سوا جس دوسری صورت سے بھی کوئی جانور مرا ہو وہ مردار کے حکم میں ہے

ذبیحہ کی حلّت کے لیے تسمیہ کی شرط تیسری قید قرآن میں یہ لگائی گئی ہے کہ جانور کو قتل کرنے کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا جائے۔ اس حکم کو متعدد مقامات پر مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایجابی طور پر فرمایا گیا:

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (الانعام آیت ۱۱۸)

پس کھاؤ اس جانور کا گوشت جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اگر تم اس کی آیات پر ایمان لانے والے ہو

سلبی طریقے سے فرمایا گیا:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الانعام، آیت ۱۲۱)

اور نہ کھاؤ اس جانور کا گوشت جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یقیناً یہ (یعنی اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کرنا یا ایسے جانور کا گوشت کھانا) فسق ہے۔

سدھائے ہوئے درندوں کے ذریعہ سے شکار کے معاملے میں بھی ہدایت فرما دی گئی:

فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (المائدہ، آیت ۴)

پس کھاؤ اس جانور کا گوشت جسے وہ تمہارے لیے روک رکھیں اور اس پر اللہ کا نام لو[1] اور اللہ سے ڈرو وہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن بہت سے مقامات پر لفظ ذبح استعمال ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی جگہ "جانور پر اللہ کا نام لینے" کے الفاظ بطور اصطلاح استعمال کرتا ہے:-

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (الحج - ۲۸)

تاکہ وہ اپنے لیے فائدے دیکھیں اور چند مخصوص دنوں میں اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انہیں بخشے ہیں (یعنی انہیں ذبح کریں)۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (الحج۔ آیت ۳۴)

ہر امت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر کی ہے تاکہ وہ اللہ کا نام لیں اُن مویشی جانوروں پر جو اس نے ان کو بخشے ہیں (یعنی ان کو ذبح کریں)

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ (الحج، آیت ۳۶)

پس ان (اونٹوں) پر اللہ کا نام لو کھڑا کرکے (یعنی انہیں نحر کرو)۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ (الانعام، آیت ۱۱۹)

پس کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو (یعنی جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو)۔

[1] کس پر اللہ کا نام لو؟ اس کی تشریح احادیث میں کی گئی ہے جو آگے آتی ہیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ (الانعام - آیت ۱۲۱)

اور نہ کھاؤ اس میں سے جس پر نہیں لیا گیا اللہ کا نام (یعنی جسے اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا گیا ہو)۔

ذبح کے لیے تسمیہ کی اصطلاح کا یہ مسلسل اور پے در پے استعمال اس امر کی صریح دلیل ہے کہ قرآن کی نگاہ میں ذبیحہ اور تسمیہ ہم معنی ہیں، کسی ذبیحۂ حلال کا تصور تسمیہ کے بغیر نہیں کیا جا سکتا، اور تسمیہ ذبیحۂ حلال کی عین حقیقت میں شامل ہے۔

اب دیکھیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایات صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ ہم تک پہنچی ہیں وہ ذبح کے لیے تسمیہ کی شرعی حیثیت کیا ظاہر کرتی ہیں۔ حاتم طائی کے صاحبزادے عدی بن حاتم وہ شخص ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر شکار کے مسائل پوچھے ہیں۔ ان کو حضورؐ نے جو احکام اس سلسلے میں بتائے وہ یہ ہیں:

اذا ارسلت کلبك فاذكروا اسم الله فان امسك عليك فادركته حيًا فاذبحه وان ادركته قد قتل ولم ياكل منه فكله . . . واذا رميت سهمك فاذكر اسم الله (بخاری ـ مسلم)

جب تم شکار پر اپنا کتا چھوڑنے لگو تو اللہ کا نام لے لو، پھر اگر کتا اس جانور کو تمہارے لیے روک رکھے اور تم اسے زندہ پالو تو ذبح کر لیا کرو اور اگر تم اسے اس حال میں پاؤ کہ کتے نے اسے مار ڈالا ہے مگر اس میں سے کچھ کھایا نہیں ہے تو تم اسے کھا سکتے ہو . . . اور شکار پر تیر چھوڑنے وقت بھی اللہ کا نام لو۔

وما صدت بقوسك فذكرت اسم الله عليه فكل وما صدت بكلبك المعلم فذكرت اسم الله عليه فكل (بخاری ـ مسلم)

جس جانور کا شکار تم نے تیر کمان سے کیا ہو اور اس پر اللہ کا نام لے لیا ہو اسے کھالو۔ اور جس کا شکار تم نے سدھے ہوئے کتے کے ذریعہ سے کیا ہو اور اس پر اللہ کا نام لے لیا ہو اسے بھی کھا لو۔

امرر الدم بما شئت واذکر اسم اللّٰهِ ۔ (ابوداؤد - نسائی)

خون بہا دو جس چیز سے چاہو اور اللہ کا نام لے لو۔

ماعلمت من کلب او باز ثم ارسلتہ وذکرت اسم اللہ علیہ فکل مما امسک علیک (ابوداؤد - احمد)

جو کتا یا باز تمہارا سدھایا ہوا ہو، پھر تم اسے شکار پر چھوڑ دو اور چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے لو تو جس جانور کو وہ تمہارے لیے روک رکھے اس کا گوشت تم کھا سکتے ہو۔

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے پوچھا اگر میں خدا کا نام لے کر اپنا کتا چھوڑ دوں پھر جب شکار کے پاس پہنچوں تو وہاں ایک اور کتا بھی کھڑا نظر آئے اور پتہ نہ چل سکے کہ دونوں میں سے کس نے یہ شکار مارا ہے تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ فرمایا

فلا تاکل فانما سمیت علیٰ کلبک ولم تسم علی غیرہ (بخاری مسلم احمد)

اسے نہ کھاؤ کیونکہ تم نے خدا کا نام اپنے کتے پر لیا تھا، دوسرے کتے پر تو نہیں لیا تھا۔

خدا اور رسول کے ان صاف اور قطعی احکام کے بعد اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ شریعت میں ذبیحہ کی حلت کے لیے تسمیہ شرط ہے اور جس جانور کو اللہ کا نام لیے بغیر مار گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اگر ایسی صریح آیات اور احادیث سے بھی کوئی حکم ثابت نہ ہوتا ہو تو پھر ہمیں بتایا جائے کہ آخر کسی حکم کے ثبوت کے لیے کس قسم کی نص درکار ہے؟

تسمیہ کے بارے میں فقہاء کے مسالک | مذاہب فقہ میں سے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ اس پر متفق ہیں کہ جس جانور پر قصداً خدا کا نام لینے سے احتراز کیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے، البتہ اگر بھولے سے تسمیہ چھوٹ گیا ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، سعید بن المسیّب، زہری، عطاء، طاؤس، مجاہد، حسن بصری، ابومالک، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، جعفر بن محمد اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کا بھی یہی مسلک منقول ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تسمیہ عمداً چھوٹا ہو یا بھولے سے، دونوں صورتوں میں ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ ابن عمر، نافع، شعبی اور محمد بن سیرین کی یہی رائے ہے اور اسی کو ابوثور اور داؤد ظاہری نے اختیار کیا ہے۔ ابراہیم نخعی سہواً چھوٹ جانے پر جانور کو مکروہ تحریمی سمجھتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ذبیحہ کی حلّت کے لیے تسمیہ سرے سے شرط ہی نہیں ہے۔ ذبح کے وقت خدا کا نام لینا ایک مشروع اور مسنون طریقہ تو ضرور ہے تاہم اگر نہ لیا جائے، خواہ قصداً یا سہواً، دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال ہوگا۔ صحابہ میں سے حضرت ابوہریرہؓ اور مجتہدین میں سے امام اوزاعی کے سوا کسی کا یہ مسلک نہ تھا۔ اگرچہ بعض روایات میں ابن عباس، عطاء بن ابی رباح، امام احمد اور امام مالک کی طرف بھی یہ رائے منسوب کی گئی ہے، لیکن ان کا ثابت شدہ مسلک اس کے خلاف ہے۔

عدم وجوبِ تسمیہ کے بارے میں شافعیہ کے دلائل اور انکی کمزوری

اس رائے کے حق میں شافعیہ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ آیت لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ میں واو کو عطف کے معنی میں لینا بلاغت کے خلاف ہے، کیونکہ آیت کا پہلا ٹکڑا جملۂ فعلیہ انشائیہ ہے اور دوسرا اسمیہ خبریہ، ایسے دو مختلف جملوں کے درمیان عطف درست نہیں ہو سکتا۔ اس دلیل سے وہ اس واو کو حالیہ قرار دے کر معنی یہ کرتے ہیں کہ "نہ کھاؤ اس جانور میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس حال میں کہ وہ فسق ہو"۔ پھر اس فسق کی تشریح وہ سورۂ انعام کی آیت ۱۴۵ سے کرتے ہیں جس میں ارشاد ہوا ہے کہ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (یا وہ فسق ہو کہ اللہ کے سوا دوسرے کا نام اس پر لیا گیا ہو)۔ اس طرح وہ آیت کا مطلب یہ بنا دیتے ہیں کہ صرف غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت ہی حرام ہے، اللہ کا نام نہ لینے سے کوئی حرمت واقع نہیں ہوتی۔

لیکن یہ ایک بہت ہی کمزور تاویل ہے جس پر متعدد قوی اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اولاً، آیت کے متبادر معنی ہرگز وہ نہیں ہیں جو اس تاویل سے بنائے گئے ہیں۔ آیت کو پڑھ کر اس معنی کی طرف ذہن خود بخود منتقل نہیں ہوتا، البتہ اگر آدمی پہلے یہ ارادہ کر لے کہ تسمیہ کے بغیر ذبح کیے ہوئے جانور کو حلال قرار دینا ہے تب بہ تکلف اس آیت کے یہ معنی بنا سکتا ہے۔

ثانیاً، جملۂ فعلیہ انشائیہ پر جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف اگر بلاغت کے خلاف ہے تو حالیہ فقرے میں اِنَّ اور لام تاکید کا استعمال ہی کونسا بلاغت کے مطابق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو وہی بات

کہنی ہوتی جو شوافع کہتے ہیں تو وھو فسق (اس حال میں کہ وہ فسق ہو) فرماتا، نہ کہ وانہ لفسق (اس حال میں کہ یقیناً وہ ضرور فسق ہو)۔

ثالثاً، استدلال کے جوش میں جملۂ فعلیہ انشائیہ پر خبریہ کے عطف کو بلاغت کے خلاف کہتے ہوئے ان حضرات کو پوری آیت بھی یاد نہ رہی۔ پوری آیت یہ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ۔ اس آیت میں اگر وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ کے واو کو حالیہ مان بھی لیا جائے تو جملہ فعلیہ انشائیہ پر اسمیہ خبریہ کے عطف سے پیچھا نہیں چھوٹتا، کیونکہ اس کے بعد کا فقرہ لامحالہ خبریہ ہے جسے کسی طرح بھی حالیہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اور اس کا عطف لامحالہ جملہ انشائیہ پر پڑ رہا ہے۔ پھر قرآن میں اس طرز کلام کی یہی ایک مثال نہیں ہے بکثرت مقامات پر اسی طرح فعلیہ انشائیہ پر اسمیہ خبریہ کو معطوف کیا گیا ہے۔ مثلاً فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (النور آیت ۴) وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ، وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ (البقرہ، آیت ۲۲۱)۔ اب یا تو اپنے بلاغت کے اصولوں پر نظر ثانی کر لیجیے، یا پھر کھل کر کہہ دیجیے کہ قرآن کا کلام بلاغت کے خلاف ہے، اس لیے کہ ہر جگہ جہاں قرآن میں جملۂ فعلیہ انشائیہ اور جملۂ اسمیہ خبریہ کے درمیان واو ہے وہاں عاطفہ کو حالیہ بنانا ناممکن نہیں ہے۔

رابعاً اس تاویل سے آیت کے معنی یہ بنتے ہیں کہ "نہ کھاؤ اس جانوروں سے جس پر نہ لیا گیا ہو اللہ کا نام اس حال میں کہ یقیناً وہ ضرور فسق ہو کر لیا گیا ہو اس پر غیر اللہ کا نام"۔ سوال یہ ہے کہ اگر اصل مقصود صرف اس جانور کو حرام کرنا تھا جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو تو کیا آیت کا پہلا حصہ بالکل مہمل، فضول اور لایعنی نہیں ہو گیا؟ اس صورت میں یہ کہنے کے تو سرے سے کوئی معنی ہی نہیں رہتے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھاؤ۔ اس کے بجائے مدعا

صرف یہ کہنے سے حاصل ہو جاتا ہے کہ " نہ کھاؤ اس جانور میں سے جس پر لیا گیا ہو اللہ کے سوا کسی اور کا نام "۔ کیا کوئی صاحبِ عقل آدمی اس بات کی کوئی معقول توجیہ کر سکتا ہے کہ آخر یہاں لَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ کہنے کی حاجت ہی کیا تھی ؟

خامساً، اگر اس واو کو حالیہ بھی مان لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ کی تفسیر ایک دور دراز کی آیت کے الفاظ اوفسقاً اھل لغیر اللہ بہ سے کریں۔ آخر کیوں نہ ہم اس آیت کے لفظ فسق کو اسی معنی میں لیں جو ازروئے لغت اس کے معنی ہیں یعنی نافرمانی اور خروج از طاعت۔ اس صورت میں آیت کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہوگا کہ نہ کھاؤ اس جانور کا گوشت جس کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس حالت میں جبکہ وہ فسق ہو (یعنی جبکہ جان بوجھ کر اللہ کا نام لینے سے احتراز کیا گیا ہو، اس لیے کہ فسق کا اطلاق حکم کی دانستہ خلاف ورزی پر ہی ہوتا ہے نہ کہ سہواً چھوٹ جانے پر)۔ یہ تاویل شافعیہ کی تاویل کے مقابلے میں زیادہ قابلِ ترجیح ہے، کیونکہ ایک طرف تو یہ ان تمام آیات اور احادیث سے مطابقت رکھتی ہے جو اس مسئلے کے متعلق وارد ہوئی ہیں، اور دوسری طرف یہ تاویل اختیار کرنے سے آیت کا ایک پورا فقرہ (ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ) بے معنی ہونے سے بچ جاتا ہے۔

دوسری دلیل حضرات شافعیہ یہ دیتے ہیں کہ ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ کچھ لوگ (جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) باہر سے ہماری بستی میں گوشت بیچنے آتے ہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ وہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں۔ کیا ہم یہ گوشت کھا سکتے ہیں؟ حضورؐ نے اس کے جواب میں فرمایا سموا علیہ انتم وکلوا " تم خود ہی اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور کھاؤ " (یہ روایت بخاری، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے)۔ اس سے شافعیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ تسمیہ واجب نہیں۔ کیونکہ اگر یہ واجب ہوتا تو حضورؐ شک کی حالت میں اس گوشت کے کھانے کی اجازت نہ دیتے۔ حالانکہ دراصل یہ حدیث ان کے مدعا کے خلاف پڑتی ہے۔ اس سے

ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ کا واجب ہونا عہدِ نبوی میں مسلمانوں کے درمیان ایک معلوم و معروف مسئلہ تھا، اسی وجہ سے تو لوگ اس گوشت کے متعلق پوچھنے آئے جو نئے نئے مسلمان ہونے والے دیہاتی کاٹ کر لاتے تھے۔ ورنہ یہ سوال پیدا ہی کیوں ہوتا اور پوچھنے کا تکلف ہی کیوں کیا جاتا۔ پھر ان کے سوال کا جو جواب حضورؐ نے دیا وہ بھی اس خیال کی توثیق کرنے والا تھا۔ اگر ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہ ہوتا اور گوشت کے حلال یا حرام ہونے میں تسمیہ اور عدمِ تسمیہ کا درحقیقت کوئی اثر نہ ہوتا تو حضور صاف صاف ان سے یہی فرما دیتے کہ ذبیحہ کی حلت کے لیے تسمیہ شرط نہیں ہے، تم لوگ ہر قسم کا گوشت کھا لیا کرو خواہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔ لیکن اس کے بجائے حضورؐ نے فرمایا تو یہ کہ تم خود خدا کا نام لے کر کھا لیا کرو۔ اس کا معقول مطلب جو بادنیٰ تامل آدمی کی سمجھ میں آجاتا ہے وہ یہ ہے کہ اوّل تو مسلمان کے ذبح کیے ہوئے گوشت کے متعلق تمھیں یہی سمجھنا چاہیے کہ وہ قاعدے کے مطابق ٹھیک ذبح کیا گیا ہوگا اور اطمینان سے ساتھ اسے کھا لینا چاہیے، لیکن اگر تمھارے دل میں کچھ شک رہ ہی جاتا ہے تو رفع وسواس کے لیے خود بسم اللہ کہہ لیا کرو۔ ظاہر ہے کہ مسلمان کے ہر ذبیحہ کے متعلق جو شہروں اور دیہات کی دکانوں پر بکتا ہے آدمی کہاں یہ تحقیق کرتا پھر سکتا ہے، اور شریعت کب اس کو اس تحقیق کا مکلف کرتی ہے کہ اس نے حلال جانور کاٹا ہے یا حرام، تذکیہ کیا ہے یا نہیں، اور وہ نیا مسلمان ہے یا پرانا، تمام قواعدِ شرعیہ سے واقف ہے یا نہیں۔ بادی النظر میں آدمی کو مسلمان کی ہر چیز کو صحیح ہی سمجھنا چاہیے۔ الّا یہ کہ اس کے غلط ہونے کا کوئی ثبوت سامنے آجائے۔ ثبوت کے بغیر جو شک دل میں پیدا ہو اسے وجہِ اجتناب بنانے کے بجائے اس طرح کے شکوک کو بسم اللہ یا استغفر اللہ کہہ کر دفع کر دینا چاہیے۔ یہ تعلیم ہے جو اس حدیث سے ملتی ہے۔ تسمیہ کے عدمِ وجوب کی کوئی دلیل اس میں نہیں ہے۔

ایسا ہی کمزور استدلال وہ ایک تابعی بزرگ کی اس مرسل روایت سے کرتے ہیں جسے ابو داؤد نے مراسیل میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذبیحۃ المسلم حلال

ذکر اسم اللہ او لم یذکر انہ ان ذکر لم یذکر الا اسم اللہ "مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے خواہ اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ وہ نام لیگا بھی تو ظاہر ہے کہ اللہ ہی کا لے گا" یہ حدیث اول تو ایک غیر معروف تابعی کی مرسل روایت ہے جس کا یہ وزن کبھی نہیں ہو سکتا کہ متعدد آیات اور مرفوع متصل احادیث سے جس چیز کا وجوب ثابت ہو رہا ہو اسے یہ غیر واجب ثابت کر سکے۔ پھر دیکھنا یہ ہے کہ اگر یہ روایت قطعی صحیح بھی ہو تو کیا واقعی اس سے تسمیہ کا عدمِ وجوب ظاہر ہوتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ جو بات اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ تو بس یہ ہے کہ کوئی مسلمان اگر خدا کا نام لیے بغیر جانور ذبح کر بیٹھا ہو تو اسے عمداً ترکِ تسمیہ پر محمول کرنے کے بجائے نسیان پر محمول کیا جائے، اور یہ سمجھا جائے کہ اگر وہ نام لیتا تو اللہ ہی کا لیتا غیر اللہ کا نہ لیتا، اور اس بنا پر اس کے ذبیحہ کو حلال سمجھ کر کھا لیا جائے۔ اس سے یہ مضمون کہاں نکلتا ہے کہ جو لوگ ذبیحہ پر خدا کا نام لینے کے سرے سے قائل ہی نہ ہوں، اور جن کا نظریہ ہی اس کے خلاف ہو، ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور سرے سے ذبیحہ پر خدا کا نام لینا ہی ضروری نہیں ہے۔ اس حدیث کے الفاظ کو چاہے کتنا ہی کھینچا اور تانا جائے، اس میں اس مفہوم کی گنجائش نہیں نکلتی۔

یہ ہے کل کائنات ان دلائل کی جو فقہائے شافعیہ تسمیہ کے غیر واجب ہونے پر لاتے ہیں۔ کسی شخص تقلید کی قسم کھا کر بیٹھ گیا ہو تو ممکن ہے کہ وہ انہیں اہل دلائل سمجھے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص ان کا تنقیدی جائزہ لے وہ کبھی یہ محسوس کیے بغیر رہ سکتا ہے کہ وجوبِ تسمیہ کے دلائل کے مقابلے میں یہ کس قدر بے وزن دلائل ہیں۔

پس جانوروں کے گوشت کی حلت کے بارے میں جو شرائط قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں وہ یہ ہیں کہ:

(۱) وہ ان اشیاء میں سے نہ ہو جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے فی نفسہٖ حرام قرار دیا ہے۔

(۲) ان کا تذکیہ کیا گیا ہو؛ اور

(۳) ان کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

جس گوشت میں یہ تینوں شرائط پوری نہ ہوتی ہوں وہ طیّبات سے خارج اور ان خبائث میں داخل ہے جن کا استعمال اہلِ ایمان کے لیے جائز نہیں ہے۔

ذبیحۂ اہلِ کتاب کا مسئلہ اب دیکھنا چاہیے کہ خاص طور پر ذبائح اہلِ کتاب کے بارے میں قرآن و سنت سے کیا حکم ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۖ وَ	آج تمہارے لیے طیبات حلال کر دیئے گئے، اور جن
طَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ	لوگوں کو کتاب دی گئی ہے ان کا کھانا تمہارے لیے حلال
وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ (المائدہ۔ آیت ۵)	ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال

اس آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ اہلِ کتاب کے دسترخوان پر جو کھانا ہمارے لیے حلال کیا گیا ہے وہ لازماً صرف وہی ہے جو طیّبات میں سے ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے اور نہیں ہو سکتا کہ جو چیزیں ہمارے لیے قرآن اور احادیثِ صحیحہ کی رو سے خبائث ہیں، جن کو ہم اپنے گھر میں یا کسی مسلمان کے گھر میں نہ خود کھا سکتے ہیں نہ کسی دوسرے کو کھلا سکتے ہیں، وہی چیزیں جب عیسائی یا یہودی کے دسترخوان پر ہمارے سامنے رکھی جائیں تو وہ ہمارے لیے حلال ہو جائیں۔ اس سیدھی اور صاف تاویل کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص دوسری تاویلیں کرنا چاہے تو زیادہ سے زیادہ چار باتیں کہہ سکتا ہے:

ایک یہ کہ اس آیت نے تمام اُن آیات کو منسوخ کر دیا جو گوشت کی حلت و حرمت کے متعلق سورۂ نحل، انعام، بقرہ اور خود اس سورۂ مائدہ میں وارد ہوئی ہیں۔ یعنی بالفاظ دیگر یہ ایک ایسی آیت قرآن میں آگئی ہے جس نے پچھلے ہی کو نہیں مردار، سؤر، خون، نذر لغیر اللہ، سب کو مطلقاً حلال کر دیا۔ مگر اس نسخ کے لیے کوئی دلیل، عقلی یا نقلی قیامت تک پیش نہیں کی جا سکتی۔ سب سے زیادہ کھلا ہوا ثبوت اس دعوے کی لغویت کا یہ ہے کہ گوشت کے بارے میں وہ تینوں قیود جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے خود اسی سورۂ مائدہ میں، اسی سلسلۂ کلام میں، اس آیت سے بالکل متصل بیان کی گئی ہیں۔ کون صاحبِ عقل یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک عبارت کے تین مسلسل و متصل فقروں میں سے آخری فقرہ پہلے دو کا ناسخ ہوا کرتا ہے۔

دوسری تاویل یہ کی جا سکتی ہے کہ اس آیت نے صرف تذکیہ اور تسمیہ کے احکام کو منسوخ کیا ہے، سؤر اور مردار اور خون اور ما اُھل لغیر اللہ بہ کی حرمت کا حکم منسوخ نہیں کیا۔ مگر ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں قسم کے احکام میں تفریق کے لیے، اور ان میں سے ایک کے نسخ اور دوسرے کے بقا کے لیے بجز ایک خالی خولی ادعا کے کوئی دلیل بھی کسی کے پاس ہے۔ اگر دلیل کوئی صاحب رکھتے ہوں تو بسم اللہ وہ اسے پیش فرمائیں۔

تیسری تاویل یہ کی جا سکتی ہے کہ اس آیت نے مسلمانوں کے دسترخوان اور اہلِ کتاب کے دسترخوان میں فرق کر دیا ہے۔ مسلمان کے دسترخوان پر تو کھانے پینے کے معاملے میں وہ تمام قیود باقی رہیں گی جو قرآن میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں، لیکن اہلِ کتاب کے دسترخوان پر وہ سب ختم ہو جائیں گی اور ہمیں آزادی ہو گی کہ جو کچھ بھی وہ ہمارے سامنے لا رکھیں اسے ہم کھائیں۔ اس تاویل کے حق میں بڑی سے بڑی دلیل جو دی جا سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اہلِ کتاب کیا کچھ کھاتے ہیں، پس جب یہ جانتے ہوئے اس نے ہمیں ان کے ہاں کھانے کی اجازت دی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ بھی وہ کھاتے ہیں، وہ سب ہم ان کے ہاں کھا سکتے ہیں خواہ وہ سور ہو یا مردار یا غیر اللہ کے نام کی قربانی یا جھٹکا۔ لیکن اس استدلال کی جڑ خود وہی آیت کاٹ دیتی ہے جس سے یہ دلیل نکالی گئی ہے۔ اس میں صاف کہا گیا ہے کہ اہلِ کتاب کے ہاں تم صرف طیبات کھا سکتے ہو، اور طیبات کے لفظ کو مبہم بھی نہیں رہنے دیا گیا ہے بلکہ اس سے پہلے دو مفصل آیتوں میں کھول کر بتایا جا چکا ہے کہ طیبات کیا ہیں۔

چوتھی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ اہلِ کتاب کے ہاں بس سور نہیں کھایا جا سکتا باقی سب کچھ کھایا جا سکتا ہے۔ یا سور، مردار، خون اور ما اُھل بہ لغیر اللہ تو ہم نہیں کھا سکتے مگر تذکیہ اور تسمیہ کے بغیر جو گوشت فراہم کیا گیا ہو اسے ہم کھا سکتے ہیں۔ مگر تاویل نمبر ۲ کی طرح یہ بھی محض ایک بے دلیل دعویٰ ہے کوئی معقول یا منقول دلیل اس معاملے میں پیش نہیں کی جا سکتی کہ قرآن کے احکام میں یہ فرق کس بنا پر کیا گیا ہے، اور اہلِ کتاب کے دسترخوان پر ایک حکم کیوں باقی رہتا ہے اور دوسرے کیوں مرتفع

ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ تفریق اور یہ استثناد قرآن سے ماخوذ ہے تو بتایا جائے کہ کس جگہ سے ماخوذ ہے۔ اگر حدیث سے نکالا گیا ہے تو معلوم ہو کہ کس حدیث سے اور اگر کوئی عقلی دلیل اس کی بنیاد ہے تو وہی سامنے لے آئی جائے۔

ذبیحۂ اہلِ کتاب کے معاملہ میں فقہاء کے مسالک | اس مسئلے میں حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ اہل کتاب کے دستر خوان پر بھی ہمارے لیے کھانے پینے کے معاملے میں وہی قیود ہیں جو خود اپنے گھر میں کھانے کے لیے قرآن و سنت میں بیان کی گئی ہیں۔ تذکیہ اور تسمیہ کے بغیر ہم کوئی گوشت نہ اپنے ہاں کھا سکتے ہیں نہ یہود و نصاریٰ کے ہاں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اوّل صفحہ ۷۲۶ - ۷۳۰)

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہودی اور نصرانی اگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کریں تو اس کا کھانا حرام ہے، لیکن اگر وہ اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ ہم کھا سکتے ہیں، کیونکہ تسمیہ سرے سے واجب ہی نہیں ہے، نہ مسلم کے لیے نہ کتابی کے لیے (کتاب مذکور، جلد دوم، ص ۲۳)۔ اس مسلک کی کمزوری ہم اوپر واضح کر چکے ہیں اس لیے اس پر بحث کی حاجت نہیں۔

مالکیہ اگرچہ ذبیحہ کی حلت کے لیے تسمیہ کو شرط مانتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے لیے یہ شرط نہیں ہے، ان کا ذبیحہ خدا کا نام لیے بغیر بھی حلال ہے (کتاب مذکور، جلد دوم، ص ۲۲)۔ اس کے حق میں صرف یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے موقع پر یہودی عورت کا بھیجا ہوا گوشت کھا لیا تھا اور یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ واقعہ تسمیہ کے حکم سے اہلِ کتاب کے استثناد کی دلیل اگر بن سکتا تھا تو صرف اس صورت میں جبکہ یہ بات ثابت ہوتی کہ اُس زمانے میں عرب کے یہودی اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کرتے تھے اور پھر بھی حضورؐ نے اس امر سے واقف ہوتے ہوئے اُن کا ذبیحہ نوش فرما لیا۔ محض اتنی سی بات کہ آپ نے وہ گوشت تناول فرماتے وقت تسمیہ اور عدمِ تسمیہ کے متعلق کچھ دریافت نہیں فرمایا، وجوبِ تسمیہ کے حکم سے اہلِ کتاب کے مستثنیٰ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ ممکن ہے کہ حضورؐ کو اپنے زمانے کے یہودیوں کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اللہ کا نام لیکر ہی ذبح کرتے ہیں، اس لیے

آپ نے بلا تامل ان کا لایا ہوا گوشت کھایا ہو۔

ابن عباس کا قول یہ تھا کہ آیت طَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ نے آیت لَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ کو منسوخ کر دیا اور اہلِ کتاب اُس حکم سے مستثنیٰ کر دیئے گئے (ابوداؤد، کتاب الاضاحی)۔ لیکن یہ ابن عباسؓ کی ذاتی تاویل ہے، کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اور ابنِ عباس بھی اس رائے میں منفرد ہیں۔ کوئی دوسرا صحابی اس تاویل و تفسیر میں ان کا ہم خیال نہیں ہے۔ پھر کوئی معقول وجہ بھی انہوں نے اس بات کی بیان نہیں کی ہے کہ اس آیت نے اُس آیت کو کیوں منسوخ کر دیا، اور صرف اسی آیت کو منسوخ کر کے کیوں رہ گئی، کھانے پینے کے متعلق باقی ساری قیود کو بھی اس نے کیوں نہ منسوخ کر ڈالا۔

عطاء اور اوزاعی اور مکحول اور لیث بن سعد کا مسلک یہ تھا کہ اس آیت نے مَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ کو حلال کر دیا ہے۔ عطاء کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب کے ہاں ہم غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت کھا سکتے ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے کان سے بھی سن لو کہ عیسائی نے مسیح کے نام پر کتا چھوڑا ہے تب بھی اس کا مارا ہوا شکار کھالو۔ مکحول کہتے ہیں کہ اپنے کنیسوں اور اپنی مذہبی تقریبات کے لیے اہلِ کتاب جو قربانیاں کریں ان کے کھانے میں مضائقہ نہیں ہے (احکام القرآن جصاص ج ۲ ص ۳۹۵)۔ مگر اتنی بڑی بات کی دلیل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اہلِ کتاب غیر اللہ کے نام کی قربانیاں کرتے ہیں اور پھر بھی اس نے فرما دیا کہ اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو یہ بھی معلوم تھا کہ اہلِ کتاب میں سے نصاریٰ سور کھاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ پھر کیوں نہ ساتھ ساتھ سور اور شراب کی حلت کا حکم بھی اسی آیت سے نکال ڈالا جائے؟

ان مختلف مذاہب میں سے صحیح اور قوی مذہب ہمارے نزدیک صرف حنفیہ اور حنابلہ کا ہے۔ باقی مذاہب میں سے کسی مذہب کی پیروی اگر کوئی کرنا چاہے تو اپنی ذمہ داری پر کرے، لیکن جیسا کہ اوپر کی بحث میں دکھایا جا چکا ہے، ان کے وجوہ و دلائل اس قدر کمزور ہیں کہ ان کی بنا پر کسی حرام کا حلال اور کسی واجب کا غیر واجب ثابت ہونا بہت مشکل ہے۔ اس لیے میں کسی

خدا ترس آدمی کو یہ مشورہ نہیں دے سکتا کہ وہ ان مذاہب میں سے کسی کا سہارا لیکر یورپ اور امریکہ میں جھٹکے کا گوشت کھانا شروع کر دے۔ آخر میں دو باتوں کی وضاحت کرنا ضروری ہے:

اول یہ کہ بسا اوقات چھوٹے جانور، مثلاً مرغ، کبوتر وغیرہ ذبح کرتے ہوئے یہ صورت پیش آجاتی ہے کہ ذراسی بے احتیاطی سے جانور کی گردن کٹ کر سر دھڑ سے فوراً الگ ہو جاتا ہے۔ فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اس طرح کے ذبیحہ کو کھا لینے میں مضائقہ نہیں۔ اب اس چیز کو بنیاد بنا کر موجودہ زمانے کے بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جہاں تمام جانوروں کے لیے ذبح کا طریقہ ہی یہ ہو کہ ایک مشین بیک ضرب سر کاٹ کر پھینک دے وہاں بھی تذکیہ کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن فقہا کے اقوال کو نص بنا کر ان سے ایسے احکام مستنبط کرنا جو بجائے خود منصوص احکام میں ترمیم کر ڈالیں، کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے۔ تذکیہ کے متعلق شریعت کے احکام ہم اوپر نقل کر چکے ہیں اور وہ احکام جن نصوص پر مبنی ہیں وہ بھی ہم نے درج کر دیئے ہیں۔ اب یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ اگر کچھ فقہاء نے احیاناً بلا ارادہ ان احکام کے خلاف کوئی واقعہ پیش آجانے کی صورت میں لوگوں کو کوئی سہولت دیدی ہے تو اسے اصل قانون قرار دے لیا جائے اور شریعت کے احکام تذکیہ عملاً منسوخ کر دیئے جائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ فقہاء نے یہ کہا ہے اور بالکل صحیح کہا ہے کہ مسلم اور اہلِ کتاب کے ہر ذبیحہ کے متعلق یہ کھوج لگانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں، البتہ اگر ایجاباً یہ معلوم ہو کہ کسی ذبیحہ پر قصداً خدا کا نام نہیں لیا گیا ہے تو اس کے کھانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس کی بنیاد پر بھی یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ یورپ اور امریکہ میں جو گوشت ملتا ہے اس کے بارے میں کھوج لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ اہلِ کتاب کا ذبیحہ ہے اس کو اسی اطمینان کے ساتھ کھاؤ جس طرح مسلم ممالک میں مسلمان قصابوں سے گوشت خرید کر کھاتے ہو۔ لیکن یہ بات صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جبکہ ہمیں اہلِ کتاب کے کسی گروہ یا ان کی کسی آبادی کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اصولاً و عقیدۃً اللہ کا نام لیکر ذبح کرنے کے قائل ہیں۔ رہے وہ لوگ جن کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ وہ حرام و حلال کی ان قیود کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں اور جو اصولاً یہ نہیں مانتے کہ جانور کے حلال اور حرام ہونے میں اللہ یا غیر اللہ کا نام لینے اور نہ لینے کا بھی کوئی دخل ہے، ان کے ذبیحہ پر یہ اطمینان کرنے کی آخر کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے؟

مطبوعات

اساسیاتِ اسلام | مصنفہ پروفیسر فضل احمد صاحب ایم۔اے، ایم، زیڈ (امریکہ)، لیکچرار سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور۔ طابع وناشر: مکتبہ کارواں۔ ایبک روڈ، انارکلی۔ لاہور۔ صفحات ۲۶۳ قیمت تین روپے چار آنے۔

مسلمانوں کی نوخیز نسل کو ــــ خصوصًا وہ نسل جس کی عمر کا معتد بہ حصہ مغربی افکار و نظریات کے پڑھنے میں صرف ہوا ہے ــــ اسلام کا پابند بنانا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے ایک بالکل نئے انداز اور نئے طرزِ فکر کی ضرورت ہے۔ دینی مسائل کو سمجھانے کا وہ پرانا اسلوب جس سے اب تک ہم آشنا چلے آتے ہیں اب زیادہ کارآمد اور مفید ثابت نہیں ہو رہا۔ اس ضرورت کو ہماری ملّت کے خیرخواہ ایک مدت سے بڑی شدّت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بعض بڑی کامیاب کوششیں بھی کی گئی ہیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کے خطبات مدراس اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا رسالہ دینیات اسی ضرورت کے احساس کا عملی اظہار ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب انہی کوششوں میں ایک مفید اضافہ ہے۔

فاضل مصنّف چونکہ ایک طویل عرصہ سے ایک ایسے ادارہ سے وابستہ ہیں جس کا مقصد قوم کے لیے اساتذہ تیار کرنا ہے، اس لیے وہ نوجوانوں کے رجحانات اور احساسات سے پوری طرح آشنا ہیں۔ ان کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کے جو کانٹے موجود ہیں وہ اُن کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور اس بنا پر انہوں نے نہایت دیدہ وری سے یہ کتاب مرتب فرمائی ہے

کتاب ۱۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ مثلاً حقیقت کی تلاش، عقائد، اسلامی عبادات، قرآن کریم، سنتِ رسول، علم فقہ اور اس کی تدوین، اجتہاد، اسلامی فقہ کے امام، اسلام کے احسانات ان ابواب میں دین کے اساسی تصورات سے لیکر اعمال تک سب پر بڑے حکیمانہ انداز میں بحث

کی گئی ہے

یہ کتاب یوں تو فاضل مصنف نے بی، اے، ٹی کے نصاب کے لیے لکھی ہے لیکن اس سے ہمارے عام نوجوان اور علماء بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

طباعت اور کتابت کا معیار عمدہ ہے

تحریکِ اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات	تالیف: جناب خرم جاہ مراد۔ شائع کردہ: مکتبہ چراغِ راہ کراچی۔ صفحات ۱۳۶۔ قیمت

ایک روپیہ آٹھ آنے۔ طباعت اور کتابت عمدہ:

اسلام انفرادی تزکیہ و طہارت کی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ایک بہتر معاشرتی زندگی کا بھی پروگرام پیش کرتا ہے۔ اس بنا پر افراد کے باہمی تعلقات و روابط اسلامی سوسائٹی میں بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ہمارے اچھے سے اچھے کام اور ہماری بہتر سے بہتر اصلاحی تحریکات بسا اوقات اس لیے ناکام ہو جاتی ہیں کہ ہمیں دوسروں کے ساتھ رہنے اور اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں ہمارے نوجوان مصنف نے، جنہیں ان معاشرتی معاملات کا ذاتی تجربہ ہے، اس بارے میں کتاب و سنت کی پیش کردہ ہدایات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ ہمارے نزدیک مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔

بتول سالنامہ	مرتبہ حمیدہ بیگم و درخشندہ کوکب۔ زرِ سالانہ پانچ روپے۔ سالنامے کی قیمت

۲ روپے چار آنے۔ مقامِ اشاعت: دفتر ماہنامہ بتول۔ ۴-۱ے ذیلدار پارک اچھرہ۔ لاہور صفحات ۱۹۸۔

اس بیش قیمت مجلہ کا تعارف پچھلے سال ترجمان القرآن کے صفحات میں آ چکا ہے۔ زیرِ تبصرہ رسالہ اس کی اشاعتِ خاص ہے۔

پرچے کے مطالعہ سے جو مجموعی تاثر انسان کے ذہن پر مرتب ہوتا ہے وہ بڑا امید افزا ہے خصوصاً جب ایک آدمی یہ سوچتا ہے کہ یہ اُن خواتین کی نگارشات ہیں جن کا زیادہ وقت اپنے

گھر کے کام کاج میں صرف ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ لکھنے پڑھنے کے لیے زیادہ وقت نہیں نکال سکتیں۔

اس پرچے کے دینی مزاج کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تبصرہ نگار کو "پانچ حسین عورتوں کے تجربات" والا مضمون نامناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہم اس کامیاب کوشش کے لیے بتول کے ادارہ اور دوسرے متعلقین کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

(بقیہ اشارات)

اس ارشاد سے ہماری ہمیشہ ڈھارس بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے اور اس کی بخششوں اور کرم نوازیوں کا کوئی شمار نہیں۔ وہ ذات بسا اوقات اپنے بندوں کی مغفرت کے لیے محض حیلے ڈھونڈتی ہے۔ ہمیں اپنے علم، اخلاص اور عمل کے اعتبار سے بلاشبہ اس دین کے سچے علمبرداروں سے کوئی دُور کی بھی نسبت نہیں لیکن ہم رحمت خداوندی سے ناامیدی کو بھی کفر سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ رحیم و کریم ذات ہماری لغزشوں، کوتاہیوں اور گناہوں سے درگزر فرماتے ہوئے ہمیں حشر کی ذلت و رسوائی سے بچا لیگی۔ اسی ذات لے ہمنا کے ہاتھ میں سب قبضہ و اختیار ہے اور اُس کے ہاں دادو مغفرت کے کچھ ایسے ہی انداز نظر آتے ہیں۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم، ربنا اغفر لنا ذنوبنا وكفر عنا سيئاتنا وتوفنا مع الابرار، ربنا وآتنا ما وعدتنا على رسلك ولا تخزنا يوم القيمة انك لا تخلف الميعاد۔ اللهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي وانت على الناس ارحم الراحمين۔

اعلان

دفتر ترجمان القرآن میں پچھلے سالوں کے چند پرچے برائے فروخت موجود ہیں۔ شائقین کی سہولت کے لیے ان کی قیمت میں پچاس فیصدی رعایت کر دی گئی ہے۔ فائل رکھنے کے خواہشمند حضرات فوری توجہ فرمائیں۔

---

۱ - شعبان ۶۷ھ	مطابق جون ۴۸ء		جلد ۳۱	عدد	۲
۲ - رمضان ۶۷ھ	″ جولائی ۴۸ء	″	″	″	۳
۳ شوال ۶۷ھ	″ اگست ۴۸ء	″	″	″	۴
۴ - ذی القعدہ ″	″ ستمبر ۴۸ء	″	″	″	۵
۵ - رجب و شعبان ۶۸ھ	″ جون و جولائی ۴۹ء		جلد ۳۲	″	۱، ۲
۶ - رمضان ۶۸ھ	″ اگست ۴۹ء	″	″	″	۳
۷ - شوال ۶۸ھ	″ ستمبر ۴۹ء	″	″	″	۴
۸ - ذی الحجہ ۶۸ھ	″ نومبر ۴۹ء	″	″	″	۶
۹ - محرم، صفر، ربیع الاول ۶۹ھ ″	دسمبر، جنوری ۴۹-۵۰ء		جلد ۳۳	عدد	۱، ۲، ۳
۱۰ - ربیع الثانی ۶۹ھ	″ مارچ ۵۰ء	″	″	″	۴
۱۱ - جمادی الاول ″	″ اپریل ″	″	″	″	۵
۱۲ - جمادی الثانی ″	″ مئی ″	″	″	″	۶
۱۳ - رجب ۶۹ھ	″ جون ″		جلد ۳۴	″	۱

۱۴ - شعبان، رمضان، شوال، ذی القعدہ ۶۹ھ مطابق جولائی تا ستمبر ۵۰ء ″ ″ عدد ۲، ۳، ۴، ۵

۱۵- ذی الحجہ سنہ ۶۹ھ	مطابق اکتوبر سنہ ۵۰ء	جلد ۳۴	عدد ۶
۱۶- محرم سنہ ۷۰ھ	" نومبر "	" ۳۵	" ۱
۱۷- صفر "	" دسمبر "	" "	" ۲
۱۸- ربیع الاول والثانی "	" جنوری فروری سنہ ۵۱ء	" "	" ۳،۴
۱۹- جمادی الاول والثانی رجب سنہ ۷۰ھ	" مارچ-اپریل "	" "	" ۵-۶-۱
۲۰- شعبان سنہ ۷۰ھ	" جون "	" ۳۶	" ۲
۲۱- ذیقعدہ-ذی الحجہ سنہ ۷۰ھ	" ستمبر "	" "	" ۵-۶
۲۲- محرم سنہ ۷۱ھ	" اکتوبر "	" ۳۷	" ۱
۲۳- صفر "	" نومبر "	" "	" ۲
۲۴- رجب، شعبان سنہ ۷۱ھ	" اپریل-مئی سنہ ۵۲ء	" ۳۸	" ۱-۲
۲۵- ربیع الاول سنہ ۷۲ھ	" دسمبر سنہ ۵۲ء	" ۳۹	" ۳
۲۶- شوال-ذیقعدہ "	" جولائی-اگست سنہ ۵۳ء	" ۴۰	" ۴-۵
۲۷- ذی الحجہ "	" ستمبر "	" "	" ۶
۲۸- محرم سنہ ۷۳ھ	" اکتوبر سنہ ۵۳ء	" ۴۱	" ۱
۲۹- صفر "	" نومبر "	" "	" ۲
۳۰- ربیع الاول "	" دسمبر "	" "	" ۳
۳۱- جمادی الثانی "	" مارچ سنہ ۵۴ء	" ۴۱	" ۶
۳۲- رجب "	" اپریل "	" ۴۲	" ۱
۳۳- شعبان "	" مئی "	" "	" ۲
۳۴- شوال "	" جولائی "	" "	" ۴
۳۵- ذیقعدہ "	" اگست "	" "	" ۵

۳۶- ذی الحجہ ۷۳ھ	مطابق	ستمبر ۵۴ء	جلد	۴۲	عدد	۶
۳۷- صفر ۷۴ھ	〃	نومبر 〃	〃	۴۳	〃	۲
۳۸- جمادی الاخری 〃	〃	مارچ ۵۵ء	〃	〃	〃	۶
۳۹- رجب ۷۴ھ	〃	اپریل 〃	〃	۴۴	〃	۱
۴۰- شعبان و رمضان ۷۴ھ	〃	مئی ۵۵ء	〃	〃	〃	۲و۳
۴۱- شوال 〃	〃	جون 〃	〃	〃	〃	۴
۴۲- ذوالقعدہ 〃	〃	جولائی 〃	〃	〃	〃	۵
۴۳- ذی الحجہ 〃	〃	اگست 〃	〃	〃	〃	۶
۴۴- ربیع الآخر ۷۵ھ	〃	دسمبر 〃	جلد	۴۵	〃	۴
۴۵- جمادی الاولیٰ 〃	〃	جنوری ۵۶ء	〃	〃	〃	۵
۴۶- جمادی الاُخریٰ 〃	〃	فروری 〃	〃	〃	〃	۶
۴۷- شعبان 〃	〃	اپریل 〃	〃	۴۶	〃	۲
۴۸- شوال 〃	〃	جون 〃	〃	〃	〃	۴
۴۹- محرم- صفر ۷۶ھ	〃	اکتوبر 〃	〃	۴۷	〃	۱و۲
۵۰- ربیع الاول 〃	〃	نومبر 〃	〃	〃	〃	۳
۵۱- ربیع الثانی 〃	〃	دسمبر 〃	〃	〃	〃	۴
۵۲- جمادی الاولیٰ 〃	〃	جنوری 〃	〃	〃	〃	۵
۵۳- شعبان- رمضان	〃	جون ۵۷ء	〃	جلد ۴۸	〃	۲و۳
۵۴- شوال 〃	〃	جولائی 〃	〃	〃	〃	۴
۵۵- ذی قعدہ 〃	〃	اگست 〃	〃	〃	〃	۵
۵۶- ذی الحجہ 〃	〃	ستمبر 〃	〃	〃	〃	۶

۵۷۔ محرم۔ صفر ۸۷ھ	مطابق	اکتوبر نومبر ۶۷ء	جلد ۴۹	عدد ۱ و ۲
۵۸۔ ربیع الاول "	"	دسمبر "	" " "	۳
۵۹۔ ربیع الثانی "	"	جنوری ۶۸ء	" " "	۴
۶۰۔ جمادی الاولیٰ "	"	فروری "	" " "	۵
۶۱۔ جمادی الآخریٰ "	"	مارچ "	" " "	۶
۶۲۔ رجب "	"	اپریل "	جلد ۵۰	عدد ۱
۶۳۔ شعبان "	"	مئی "	" " "	۲
۶۴۔ شوال "	"	جولائی "	" " "	۴
۶۵۔		اگست	" " "	۵
۶۶۔		ستمبر "	" " "	۶
۶۷۔		اکتوبر "	جلد ۵۱ "	۱
۶۸۔		نومبر "	" " "	۲
۶۹۔		دسمبر "	" " "	۳
۷۰۔		جنوری "	" " "	۴

جلد ۴۹ عدد ۱ تا جلد ۵۱ عدد ۴۔ قیمت فی پرچہ ۸ ر ہوگی۔ ایجنٹوں کے لیے ایجنسی کمیشن کے حساب سے قیمت ادا کرنی ہوگی۔ جلد ۴۹ سے سابقہ پرچوں کی قیمت نصف وصول کی جائیگی ڈاک خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

مینیجر ترجمان القرآن، اچھرہ

لاہور

خـــالی صفحـــه

رسالہ دینیات

از

سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ رسالہ ھائی سکول کی آخری جماعتوں میں تعلیم پانے والے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے لکھا گیا ہے ۔ اس میں تعلیم دینیات کا بالکل جدید طرز اختیار کیا گیا ہے ۔ مسلمان نوجوانوں کو کالج کی منزل میں داخل ہونے سے پہلے یہ رسالہ پڑھا دینا نہایت ضروری ہے ۔ اس میں بہترین عقلی دلائل کے ساتھ اسلام کی بنیادی تعلیمات اور اصول شریعت کو سمجھایا گیا ہے اور ان شبہات کو رفع کیا گیا ہے جو زمانۂ جدید کے دماغوں میں عموماً پیدا ہوتے ھیں ۔

طلبہ کے علاوہ عام ناظرین اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے بھی اس رسالہ کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں ۔ نیز علماً بھی اس سے مستفید ہو سکتے ھیں ۔ کیونکہ یہ رسالہ ان کو بتائیگا کہ اس دور میں اسلام کو پیش کرنیکا صحیح طریقہ کیا ہے ۔

ضخامت (۱۶/۳۰ × ۲۰) ۱۷۶ صفحات ۔ قیمت ۱۲/۱ روپیہ

ادارۂ ترجمان القرآن ۔ اچھرہ ۔ لاہور

مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ ورکس ۔ لاہور